خون کی پکار

انتہائی لرزہ خیز ناول

جاسوسی دائرہ سیریز

خون کی بارش

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

ترتیب

۱۔ پگھلی ہوئی لاش

۲۔ اور دو خون

۳۔ شب گردی

۴۔ عجیب تجربا

۵۔ مسٹر وان ڈیوٹ

۶۔ پھر دو موتیں

۷۔ مرغی چور

۸۔ کار اڑ گئی

۹۔ میجر پاگل ہو گیا

۱۰۔ خون آشام صبح

۱۱۔ خون کی بارش

Akram Allahabadi

پگھلی ہوئی لاشیں

وہ پگھلے ہوئے ربڑ کی طرح پلپلی، خستہ اور بگڑی ہوئی شکل میں معلوم ہو رہی تھیں۔ کسی نے بھی آج تک انسانی لاشوں کی ایسی بھیانک اور عجیب کیفیت نہیں دیکھی تھی۔ صبح صبح وہار لیک کے سرہانے کھڑی ہوئی چھرے ہوئے درختوں والی غیر آباد پہاڑی پر ان دو لاشوں کے پائے جانے سے پورے علاقے میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ چند یولی اور ساکی ناکہ کے رنگ کے کارخانے سے لوگ انھیں دیکھنے چلے آرہے تھے۔ کل صبح اتار کے دن پکنک اور تفریح کا پروگرام بنا کر آنے والے بمبئی کے فرصت پسندوں میں بہت سے تو دام کو ہی لوٹ گئے تھے اور بعض ویران اور پرسکون ماحول میں زندگی کے چند گھنٹے اپنے ماحول کی ہنگامہ خیزیوں سے دور گزارنے کی نیت سے چھوٹی چھوٹی پانچ یا دس دس کی پارٹیوں میں بٹ کر پڑے یہیں رہ گئے تھے۔ ان کا پروگرام تھا کہ اس خوب صورت پہاڑی پر شبِ ماہ کا لطف اٹھانے کے بعد صبح اپنے گھروں کو لوٹیں گے۔

یہ لاشیں جن دو شخصیتو سے منسب ک جا رہی تھیں، ان میں ایک نوجوان پارسی لڑکا فیروز اور اس کی ۱۶ سالا منگیٹر شیریں تھی۔ یہ اپنے چار دوسرے ساتھیوں کے ہم راہ بمبئی سے کل پکنک کے لیے وہار لیک آئے تھے، جہاں سارا دن پہاڑی پر چھڑھنے اترنے، اجنٹا ہوٹل میں کوکا کولا اور آرینج اسکوئش پینے یا زیادہ سے زیادہ اونچے بند والی شفاف اور چوڑی پختہ سڑک پر ہلکے ہلکے بادلوں کے سائے میں ٹہل ٹہل کر کشتی نما ماکن کے ماڈل تک تفریح کرنے میں گزار کر وہ راعت کو دس بجے اپنے ساتھیوں سمیت اوپر پہاڑی پر گول شیڈ سے کچھ دور اپنے اپنے ہلکے پھلکے بستر لگا کر تاش کھیلنے بیٹھ گئے تھے۔ ان چھ افراد میں دو لڑکیاں تھیں، دو جوان لڑکے اور دو ادھیڑ عمر کے آدمی تھے۔

پارسی اپنے حلقوں میں جنسی اور سماجی حیثیت سے ترقی پسند ہوتے ہیں، اس لیے ان کے یہاں شادی سے پہلے کی کورٹ شپ زیادہ لمبی مدت لے لیتی ہے، اس پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے جب رات کو ۱۲ بجے کے قریب، چودھویں کا چاند نیلگوں آسمان پر رومان انگیز کیفیتیں بکھیرتا ہوا تیرنے لگا تو، آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کر کیوہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور کسی نے ان کے اکیلے گھومنے جانے پر اعتراض نہ کیا۔

ان کے ساتھی صرف مسکرا دیے اور پھر تاش کھیلنے لگے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اونچے نیچے چڑیل اور نگلی کھاکھر کے درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر زمین پر پڑنے والی چاند کی ٹھنڈی پرسکون کرنوں میں نہاتے ہوئے پہاڑی کے اس سرے پر پہنچ گئے جہاں سے خفیف سے تار کے ساتھ ساکی ناکہ سے چندیو روڈ کراس کرتی ہوئی وہار لیک تک آنے والی نیم پختہ سڑک کی طرف ڈھلوان شروع ہو جاتا تھا۔ اس سڑک کے دوسری طرف بنجر اور ناہموار میدان تھے، جن میں جنگلی پودے اور ٹیسو اور کگروندوں کے درخت لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں عتاڑ کے دو چار درخت بھی نظر آجاتے۔ ان میدانوں سے ملا ہوا سامنے ایک دوسرا تقریباً ۸۰۰ فٹ بلند ایک ویران پہاڑ سر اونچے کیے کھڑا تھا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ ڈھلوان کی طرف اترنے لگے، یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھیوں کی نظر سے غائب ہو گئے۔ آسمان پر اڑتے ہوئے بادل کے ٹکڑے کبھی کبھی چاند کا روشن چہرہ کسی حور کے سفید آنچل کی طرح طرح موند لیتے تھے اور وقفے وقفے سے دھندلی تاریکی چھا جاتی۔

اہار لیک ایک بمبئی عظمیٰ کے مضافاتی مقامات میں بہترین تفریحی مقام سمجھا جاتا تھا۔ پہاڑی کے نیچے چاند کی سنہری کرنوں کو اپنی موجوں میں لپیٹ لپیٹ کر لیریں

لینے والے جھیل کا پانی دور سے چمک رہا تھا اور ماحول پر ایک رومانی کیفیت طاری تھی۔ نہ جانے اس حسین رات میں اس پہاڑی پر اور کتنے محبت بھرے دل ادھر ادھر تنہائیوں میں مل رہے ہوں گے، کتنی معصوم تمنائیں چاند کی ثقیل کرنوں پر جھول رہی ہوں گی۔

اور اسی طرح وہ جھولتے جھولتے چلے جا رہے تھے۔ تاش کھیلنے والے ساتھیوں کو یہ معلوم کرنے کی غرض نہ تھی کہ وہ کدھر اور کیوں جا رہے ہیں۔ جس وقت تھکن سے ان کا بدن ٹوٹنے لگا تو کوئی ان میں لیٹ کر کھیلنے لگا، کوئی بیٹھا رہا اور اس طرح کھیلتے کھیلتے ہی وہ سب اونگھ کر سو گئے۔ اس وقت رات کے تقریباً تین بج رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

صبح جب وہ سو کر اٹھے تو فیروز اور شیریں کو جب بھی غائب پا کر ان میں سے ہر ایک گھبرا گیا۔ انھوں نے بوکھلا کر پہاڑی کے تمام شیڈ اور درختوں کے جھنڈ تلاش کرنے شروع کر دیے، مگر ان دونوں کا اب بھی کوئی پتا نہ تھا۔ دوسرے لوگ بھی جو سویرے جاگ کر اب شہر کی طرف لوٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور بعض تلاش میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ لیکن اس وقت انھیں پہاڑی کے شمالی ڈھلوان کی اس سمت سے ایک لڑکی کی چیخ سنائی دی اور جب وہ دوڑ کر وہاں پہنچے تو وہ ایک جھاڑی کے نزدیک کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس سے تقریباً بیس پچیس قدم دور چٹیل سی جھلسی ہوئی جگہ دو انسانی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان کی ہیئت اس قدر خوف ناک اور عجیب تھی کہ لوگوں نے انھیں دیکھ کر اپنے منہ پھیر لیے۔ وہ پگھلے ہوئے ربڑ کی طرح پلپلی، خستہ اور غیر متناسب ہو گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

''صاحب، میرا بھائی۔'' نوجوان پارسی بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

''آخر کچھ بیان بھی کرو گے کہ روتے ہی رہو گے۔'' پولیس سب انسپکٹر جھنجلا گیا۔

''ہم...ہم رات کو وہارلیک کی پہاڑی پر ہی ٹھہر گئے تھے اور رات کو میرا بھائی ...'' یہ کہہ کر وہ پھر سسکیاں لینے لگا۔

''صبر اور ہمت سے کام لو۔ کیا ہوا اسے؟ کیا جھیل میں کود پڑا؟ انسپکٹر نے سوال کیا، جس پر اس نے روتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔

''پہاڑ گر گیا؟'' انسپکٹر نے دوسرا سوال کیا۔

نوجوان پارسی نے اس پر بھی گردن نفی میں ہلا دی۔

''تو پھر کیا ہوا اسے؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' انسپکٹر تنگ آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پارسی کے ساتھ والی لڑکی بھی گم سم تھی۔

''تم بتا سکتی ہو؟'' انسپکٹر نے اس سے پوچھا۔

''ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ آپ خود چل کر دیکھ لیجیے۔'' لڑکی نے ہمت سے کہا۔

''ایسی عجیب موت تو میں نے بھی کبھی نہیں دیکھی، صاحب۔'' ان کے ساتھ والا تیسرا آدمی بھی بول اٹھا۔

''کیا قتل کر دیا ہے کسی نے؟''

''یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا۔'' پارسی نے اپنے حواس پر قابو پا کر جواب دیا۔

گھاٹ کوپر پولیس اسٹیشن کا انسپکٹر ساونت ان کے مبہم جوابات سے الجھن میں

پڑ گیا۔

''خیر چلیے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔باہر اس کی جیپ کار کھڑی تھی اور وہ ٹیکسی بھی، جس پر یہ لوگ آئے تھے۔

ان کے بیان کے مطابق وہ کل چھ افراد تھے، جن میں سے ان کے دو ساتھی ایک نوجوان فیروز اور اس کی منگیتر شیریں رات کو ۱۲ بجے چاندنی میں سیر کرتے ہوئے پہاڑی کے دوسری طرف ڈھلوان پر چلے گئے تھے اور صبح ان کا یہ حشر۔پولیس جیپ کار جب وہاں لیک پرا جنٹا ہوٹل کے سامنے رکی تو نیچے کھڑے ہوئے چھ آدمی حیران سے ان لوگوں کو دیکھنے لگے۔

انسپکٹر ساونت کار سے اتر کر پارسی نوجوان کی معیت میں تیز قدم رکھتا ہوٹل کے سامنے والے زینے سے ہی اوپر چڑھ گیا۔اوپر کئی کٹاؤ عبور کرکے چند چھوٹے اور نیم خشک درختوں کے بعد دوسری طرف کا ڈھلوان تھا، جہاں کچھ آدمی بھیڑ لگئے تھے اور ایک ادھیڑ عمر کا پارسی ہجوم کے پاس ہی کھڑا ان لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔پولیس انسپکٹر کے آنے پر بھیڑ ادھر ادھر چھٹ گئی اور سب انسپکٹر ساونت ان لاشوں کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ایسی عجیب موتیں اس نے کبھی زندگی میں نہیں دیکھی تھیں۔ان کی لاشیں جیسے ربڑ کے مجسموں کی طرح پگھل گئی تھیں۔ان کے جسم کی ساخت اور چہرے سب بگڑ گئے تھے۔یہ نہ کسی زہر سے ہونے والی موت کہی جا سکتی تھی، نہ قدرتی، نہ ہی یہ کوئی وارداتِ قتل ہو سکتی تھی۔انسانی جسم اس طرح پگھل جائے یہ تصور کرنا بھی مشکل تھا۔یہ لاشیں اس قدر بھیانک ہو گئی تھیں کہ ان کی طرف نظر بھر کر دیکھتے وحشت ہوتی تھی، تب بھی حیرت زدہ لوگ دیکھ رہے تھے۔سب انسپکٹر ساونت ہجوم کو ہٹا کر آس پاس کی زمین دیکھنے لگا۔اسے ایک گول دائرے میں تقریباً بیس فٹ تک ہر چیز اینٹھی ہوئی نظر آئی۔اسی حلقے میں کچھ درختوں کے تنے بھی نظر آ رہے تھے، جو ٹیڑھے

ہوکر زمین سے جا لگے جا رہے تھے اوران کی شاخوں کا پتا بھی نہ تھا۔ چٹانوں کی شکل بھی بگڑ گئی تھی اور زمین جھلسی معلوم ہو رہی تھی۔

ناک پر رومال رکھ کر جب ساونت نے ان لاشوں کو ایک لکڑی کے سہارا پلٹا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جہاں یہ لاشیں پڑی تھیں، وہاں کی زمین اپنی اصل شکل مین تھی اور اس پر ان لاشوں کے خفیف سے گڑھے پڑ گئے تھے، جیسے کسی نرم زمین پر کسی کے قدموں کے نشان بن جائیں۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہے؟'' وہ مجبور ہو کر بولا۔

''ہم نے بھی کبھی ایسی موت نہ دیکھی اور سنی۔'' مجمع میں سے کسی نے تبصرہ کیا۔

''بہر حال آپ لوگ جا کر اپنا کام کیجیے۔ میں ان لاشوں کو شہر پہنچوانے کا انتظام کرتا ہوں۔ ممکن ہ پوسٹ مارٹم سے اس سلسلے میں کچھ معلوم ہو سکے۔'' ساونت نے لوگوں کو منتشر ہونے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

''یہ موتیں کس وقت ہوئیں، اس کا آپ لوگوں کو کوئی اندازہ ہے؟'' ساونت نے نوجوان پارسی کو مخاطب کیا۔

''ہم لوگ ڈیڑھ دو بجے سو گئے تھے۔ فیروز اور شیریں ایک دوسرے کے منگیتر تھے، اس لیے ہم میں سے کسی نے ان کی اس تفریح میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا، یہ سوچ کر کہ جب جی چاہے گا گھوم پھر کر خود لوٹ آئیں گے، ہم بے فکر تھے۔'' پارسی نوجوان رستم نے جواب دیا۔

''آپ لوگوں کو کوئی آواز، کوئی چیخ بھی نہیں سنائی دی؟'' ساونت نے سوال کیا۔

''قطعی نہیں، یہ لاشیں تو صبح تلاش کرنے پر ہماری نظریں پڑی۔'' ادھیڑ

عمر پارسی بھی بول اٹھا۔

''رات کوئی اور غیر معمولی بات تو نہیں ہوئی ؟''

''ہم لوگوں کے جاگتے ہوئے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔''انھوں نے جواب دیا۔

''عجیب معاملہ ہے۔ یہ کسی ہتھیار یا زہر سے کیا گیا قتل ہی نہیں اور پھر صرف لاشوں کی شکل ہی نہیں بگڑی ہے بلکہ ان کے آس پاس کی زمین کی بھی عجیب کیفیت ہے۔''ساونت نے خود ہی بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ ہو کیا سکتا ہے؟''ایک پارسی نے اس سے پھر سوال کیا۔

''یہی معلوم ہو جاتا تو میں تفتیش نہ شروع کر دیتا۔ مجھے اس سلسلے میں ان لاشوں کے ڈاکٹری معائنہ کے ساتھ ساتھ یہ عجیب پولیس کیس ہیڈ کوارٹرز کو ہی سپرد کرنا پڑے گا۔ مجھے یقین نہیں کہ اگر اس عجیب وغریب واردات میں میری تفتیش کام آسکے گی۔''ساونت یہ کہہ کر واپس لوٹنے لگا۔سیڑھیاں اتر کر بند کو عبور کرتا ہوا وہ لیک کے آفس میں گھس گیا۔یہاں فون موجود تھا،لیکن اس کا پولیس ہیڈ کوارٹرز یا بمبئی شہر سے براہِ راست کنکشن نہیں آیا تھا،اسلیے ساونت کو پہلے اپنے آفس گھاٹ کوپر ہی فون کرنا پڑا۔ ادھر سے دفتر کا محرر بول رہا تھا۔

''پولیس ہیڈ کوارٹرز میں خبر دیجیے کہ وہار لیک پر دو عجیب اور پراسرار موتیں ہوگئی ہیں، جن کی لاشیں کارونر پنچانے کے لیے ایمبولینس گاڑی فوراً وہار لیک بھیج دی جائے۔میں گاڑی آنے تک یہیں ہوں۔''وہ یہ کہہ کر رسیور رکھ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ اور خیال آگیا۔''اور ہاں، وہاں سے پولیس فوٹوگرافر بھی بلوا لیجیے۔''یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا۔اس کے بعد اس نے پہاڑی پر ملنے والے دوسرے آدمیوں سے بھی پوچھ گچھ کی،لیکن ہر ایک نے ان معاملات سے قطعی لاعلمی ظاہر کی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ایک گھنٹے بعد ہی ایک ویمبولینس وہار لیک پہنچ گئی۔ ساونت نے ان دونوں بگڑی ہوئی لاشوں کو ایمبولینس میں رکھ دیا اور مرن والوں کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے کر گھاٹ کو روانہ ہوگیا اور ایمبولینس لاشوں کو لے کر کرلا کی طرف روانہ ہوگئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اور دو خون

ہیلو...، میں انسپکٹر بارٹلے بول رہا ہوں...، آپ نے ایمبولینس اتنی دیر کیوں ڈیٹینشن کر رکھی ہے؟'' فون پر پولیس ہیڈ کوارٹرز سے انسپکٹر بارٹلے بول رہا تھا۔ وہ پولیس کے ٹرانسپورٹ اور موومنٹ ڈپارٹمنٹ کا انچارج تھا۔

''جی، آپ کون سی ایمبولینس کا ذکر کر رہے ہیں؟'' ساونت نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جو آپ کے فون پر وہارلیک بھیجی گئی تھی۔ مجھے کرلا سے اطلاع ملی ہے کہ ابھی تک وہ ایمبولینس واپس نہیں ہوئی۔ کارونر سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ وہاں پہنچی ہی نہیں۔'' انسپکٹر بارٹلے نے کہا۔

''پہنچی ہی نہیں؟'' سب انسپکٹر ساونت اپنی سیٹ سے اچھل پڑا۔ ''میں نے تو صبح ساڑھے دس بجے ہی اپنے سامنے وہ ایمبولینس وہارلیک سے روانہ کرائی تھی۔'' اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''تو پھر کیا ہوئی وہ؟'' ادھر سے بارٹلے نے سوال کیا۔

''میں کیا عرض کروں؟ میں تو سمجھا تھا کہ اب تک ان لاشوں کا پوسٹ مارٹم بھی ہو چکا ہوگا۔ میں نے اس کیس کی رپورٹ بھی مرتب کر کے ابھی ابھی ایس پی کرلا بی ڈویژن کو ارسال کر دی ہے۔'' ساونت نے خشک گلے سے جواب دیا۔

''آپ اپنے علاقے میں اسے تلاش کیجیے۔ میں کرلا پولیس کو بھی مطلع کیے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر بارٹلے نے رسیور رکھ دیا۔

ساونت گھبرایا سا اٹھ کھڑا ہوا۔

Akram Allahabadi

''کیا ہوا، داروغہ جی؟''بوڑھے ہیڈ محرر نے اپنے کمانی دار چشمے کے پیچھے سے گھور کر اس سے مسخرے لہجے میں پوچھا۔

''ہوا کیا، تمہارا سر۔ وہ ایمبولینس جو وہارلیک سے دو لاشیں لے کر گئی تھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔'' انسپکٹر ساونت نے اپنی چمڑے کی پٹی جس میں پستول کیس منسلک تھا کمر سے کستے ہوئے جواب دیا۔

''شاید پارسیوں کے قبرستان چلی گئی ہو۔'' منشی جی نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی رائے دی۔

''تمہارے دماغ میں بوڑھاپے کے تجربے کے جگہ بھوسا بھر گیا ہے، بھوسا۔'' یہ کہہ کر وہ تیز قدم چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

ایک طرف گھاٹ کوپر پولیس کا انسپکٹر ساونت خود اپنی موٹر سائیکل آگرہ روڈ سے کرلا روڈ تک کی سڑکیں اور ان کی شاخیں ناپ رہا تھا اور دوسری طرف کرلا پولیس کے دو سارجنٹ موٹر سائیکلوں پر گم شدہ ایمبولینس کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ سورج مغربی کناروں پر ڈوب رہا تھا اور شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔

ساونت اس وقت کرلا اور اندھیری کے درمیان کرلا روڈ سے گزر رہا تھا کہ ایک نالے کے پل کے پاس ویران علاقے میں اس کی موٹر سائیکل جھٹکے سے رک گئی۔

داہنے ہاتھ ایک کچا راستہ آگے دور تک ایک ویران باغ میں چلا گیا تھا۔ پختہ سڑک سے اس کچے راستے پر کسی موٹر کے مڑنے کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ یہ ڈنلپ کے بھاری گاڑیوں والے ٹائروں کے نشانات تھے۔ وہ موٹر سائیکل سے اتر کر زمین کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایمبولینس میں پندرہ ہنڈ ریڈ ویٹ ٹرک لوڈ کے ٹائر ہی استعمال کیے جاتے

ہیں ۔وہ ایک منٹ سیدھا کھڑا ہو کر سوچن لگا۔ہوسکتا ہے کوئی ٹرک ہی اس طرف گیا ہو، لیکن پھر دیکھ ہی لینے کے خیال سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے اس نے کچے راستے پر گھمادی۔

باغ میں سنگترے کے خشک درخت اپنی پتلی پتلی شاخیں پھیلائے کھڑے تھے۔ان کے درمیان سے یہ کچا راستہ گزرتا ہوا اور دوسری طرف اگے ہوئے چند گھنے درختوں کے ایک جھنڈ سے جا ملا تھا، جس کے آگے خاردار ناہموار میدان اور اس کے پیچھے پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچ کر اس نے موٹر سائل روک لی اور اسے ایک درخت کے تنے سے ٹکائے ہوئے وہ پھر زمین کو غور سے دیکھنے لگا۔

ٹائروں کے ویسے ہی نشانات یہاں بھی کچھ فاصلے پر دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ان کی سیدھ میں چلتا ہوا درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوگیا۔پولیس امبولینس سامن کھڑی تھی۔اس کا اگلا حصہ ایک موٹے درخت کے تنے سے جا کر لگ گیا تھا، جس سے اس کا بمپر ٹیڑھا ہوگیا تھا اور ایک ہیڈ لائٹ کا شیشہ چور ہوگیا تھا۔باقی حالت بدستور تھی۔

وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے فٹ بورڈ پر چڑھ گیا، لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر جھانکتے ہی اس کے منہ سے دبی سی چیخ نکل گئی۔ایمبولینس ڈرائیور کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔وہ خون میں نہایا ہوا تھا، اس کے سینے اور گردن کے قریب چار گہرے زخم تھے، جن سے خون بہہ کر کپڑوں پر جم گیا تھا۔اس کی نبض چھونے پر معلوم ہوا کہ وہ کافی دیر قبل مر چکا ہے اور اس پر کسی دھاردار چیز سے حملہ کیا گیا تھا۔

ڈرائیور کے پاس والی سیٹ پر ایک پولیس ہیڈ کانسٹیبل، جو لاشوں کو ساتھ لے کر کارونز جا رہا تھا، سیٹ سے ڈھلکا ہوا گیئر کے نزدیک پڑا تھا۔اس کا سر پھٹ گیا تھا جیسے دوسری کھڑکی سے کوئی بھاری چیز اس کے سر پر ماری گئی ہو۔اس کا بھیجا باہر نکل پڑا تھا، لیکن اس میں زندگی کے خفیف سے آثار موجود تھے۔اس کی بہت آہستہ چلتی ہوئی نبض

کو محسوس کرتے ہی سب انسپکٹر ساونت نے دوڑ کر اپنی موٹر سائیکل سنبھالی لی۔موٹر سائیکل پر تو اسے پہنچانا ناممکن تھا۔وہ اسے اسٹارٹ کر کے بے تحاشا سڑک کی طرف دوڑا اور پختہ سڑک پر آتے ہی اس نے گاڑی ساکی ناکہ سے کرلا کی طرف گھما دی۔سب سے پہلے قریب ٹیلی فون سے پرانے کرلا کے ایک پٹرول پمپ پر مل گیا۔

موٹر سائیکل کو پھینکنے والے انداز میں دیوار سے ٹکا کر اس نے پٹرول پمپ کے منیجر کی اجازت کے بغیر ٹیلی فون سنبھال لیا اور ریسیور ہاتھ میں لے کر نمبر ملانے لگا۔

''یس، میں سب انسپکٹر ساونت بول رہا ہوں۔بارٹلے صاحب کو بلا دو۔'' یہ کہہ کر اسے ایک منٹ انتظار کرنا پڑا۔اس کے بعد شاید انسپکٹر بارٹلے آ پہنچا۔

''ہیلو، جی میں ساونت ہوں۔وہ...وہ ایمبولینس کرلا روڈ کے کنارے ایک ویران باغ کے پیچھے درختوں کے ایک جھنڈ میں مل گئی ہے۔مگر...'' اس کی سانس پھول رہی تھی۔اس لیے وہ ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

''مگر کیا؟'' بارٹلے نے پوچھا۔

''ڈرائیور اور ہیڈ کانسٹیبل عبدالرحیم کی لاشیں خون میں لت پت پڑی ہیں۔عبدالرحیم میں تھوڑی سی جان باقی ہے۔ڈرائیور مر چکا ہے۔'' اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں بیان کیا۔

''اوہ گاڈ، یہ سب کیا معاملہ ہے؟'' ادھر سے بارٹلے کی متحیر آواز سنائی دی۔

''میں ابھی ڈپٹی کمشنر کو اطلاع کرتا ہوں۔آپ کرلائی ڈویژن کو خبر کر کے وہاں پولیس پہرہ لگایئے۔'' بارٹلے نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔لائن منقطع ہو گئی۔

ایک بار ساونت نے کرلائی ڈویژن کے ایس پی کے آفس کا نمبر ملایا۔ایس پی خود فون پر ادھر سے بول رہا تھا۔

''سر، میں سب انسپکٹر ساونت بول رہا ہوں اور آپ کی بھیجی ہوئی ایمبولینس

Akram Allahabadi

جو راستے میں غائب ہو گئی تھی، کرلا روڈ پر سنگترے کے ایک ویران باغ کے پیچھے مل گئی ہے۔ ڈرائیور اور ایک کانسٹیبل کی لاشیں اس میں پڑی ہیں۔ میں نے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے دی ہے اور اب آپ کو مطلع کر کے پھر وہیں جا رہا ہوں۔'' ساونت نے کہا۔

''آپ چلیے، میں ایک ٹرک بھی بھیجتا ہوں اور خود بھی آتا ہوں۔'' ادھر سے ایس پی بی ڈویزن نے جواب دیا۔ ساونت نے فون رکھ دیا۔ جیب سے ایک چوانی نکال کر پمپ کے منیجر کی میز پر رکھ دی، جو حیرت سے یہ گفتگو سن رہا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں، داروغہ جی۔'' وہ چونک کر بولا۔

''تکلف نہ کیجیے۔'' یہ کہہ کر ساونت چوانی وہیں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

اس کی موٹر سائیکل پھر کرلا روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ ساونت کے واپس ہوتے ہوتے ہیڈ کانسٹیبل بھی مر چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سپرنٹنڈنٹ بی ڈویزن کرلا بھی اپنی کار میں ساونت کے بتائے ہوئے پتے پر آ گئے۔ ان کی کار کے پیچھے پولیس کا ایک ٹروپ کیریئر ٹرک تھا۔ وہ پولیس فوٹو گرافر کو بھی ساتھ لائے تھے، جس نے گاڑی سے اتر کر لاشوں کا ٹرک اور موقع محل کے مختلف زاویوں سے فوٹو لینے شروع کر دیے۔

ایس پی، ساونت کے ساتھ ساتھ لاشوں کا معائنہ کرنے لگا۔ ہیڈ کانسٹیبل ڈرائیونگ سیٹ کے نزدیک والی سیٹ پر بیٹھا تھا اور سمت کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس پر کسی وزن دار سخت چیز سے حملہ کیا گیا تھا اور ڈرائیور پر خنجر سے۔

''لیکن یہ یہاں تک لائے کیسے گئے؟'' ساونت بڑبڑایا۔

''میرا خیال ہے کہ انھیں کسی طرح مجبور کر کے گاڑی اس طرف ڈرائیو کرنے کا حکم دیا گیا ہوگا۔'' ایس پی نے ڈرائیور کی لاش کے آس پاس خون کے دھبوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

پھر ان کی نظر فٹ بورڈ پر دوڑنے لگی۔اس پر خون کے چند باریک چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔وہ گاڑی سے اتر آئے۔نیچے چھوٹی چھوٹی پہاڑی گھاس تھی، جو خشک ہوچکی تھی۔ایس پی نے آس پاس کی زمین دیکھنی شروع کی اور خود ساونت دوسری طرف گاڑی کے آس پاس کی زمین کو غور سے دیکھنے لگا۔اس طرف بھی فٹ بورڈ کے پاس کچھ خون کے چھینٹے تھے۔یہ چھینٹے گاڑی کے اگلے حصے کے نزدیک بھی نظر آئے،لیکن ان کے سوا اور کوئی علامت نہ مل سکی۔گھاس اور کنکروں والی زمین ہونے کی وجہ سے یہاں کسی قسم کے نشانات نہ ملتے تھے۔کافی محنت کے باوجود یہاں ایسے کوئی آثار نہ ملے اور اس قدر سمجھ لینے کے کہ ان لوگوں پر حملہ گاڑی سے باہر نکال کر کیا گیا تھا۔کیوں کہ کچھ دور ایک جھاڑی کے نزدیک کافی خون پڑا جو جم چکا تھا،اور وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر خون کے چھینٹے گاڑی کے فٹ بورڈ تک نظر آتے رہے۔اس کا مطلب یہ کہ ڈرائیور کو اس جگہ ختم کرنے کے بعد اٹھا کر موٹر میں اس کی سیٹ پر ڈالا گیا اور ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔

البتہ اسے گاڑی کے سامنے سے ہوکر دوسری طرف کی کھڑکی سے دوسری سیٹ پر ڈالا تھا۔جس کی وجہ سے خون کی چھینٹے بمپر کے سامنے والی زمین پر بھی نظر آرہے تھے مگر اس سے بھی حالات پر کوئی خاص روشنی نہ پڑتی تھی۔

''محض خنجر کے ڈر سے پولیس ڈرائیور نے اسن کی تعمیل کی ہوگی،یہ سمجھ میں نہیں آتا۔''ایس پی سوچنے لگا۔

''ہوسکتا ہے کہ قاتلوں نے پستول دکھا کر انھیں ان کے حسب مرضی گھاڑی گھمانے پر مجبور کیا اور یہاں اس خیال سے کہ پستول کے فائرنگ کا شور کوئی سن کر متوجہ نہ ہوجائے،انھوں نے خاموشی سے خنجر وغیرہ کے ذریعے ختم کردیا ہو۔'' سب انسپکٹر ساونت نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔''ایس پی نے آہستگی سے کہا۔

''اور ان دو لاشوں کو حاصل کرنے کے لئے ہی یہ دو اور خون کیے گئے ہیں۔''

ساونت پھر بولا۔

''بہت خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔کم بختوں نے تلے اوپر خون کر ڈالے۔''ایس پی دانت پیس کر بولا۔

''اگر آپ نے وہ ریک والی لاشیں یا ان کے فوٹو دیکھے ہوتے تو آپ حیران رہ جاتے کہ یہ کیسی موتیں ہیں۔انھیں کس طرح مارا گیا ہے۔میں نے تو زندگی میں کبھی اس قسم کی واردات نہیں دیکھی۔''ساونت نے کہا۔

''میں پولیس ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں،فوٹو وہاں تیار ہو کر آ گئے ہوں گے، میں انھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''ایس پی نے پلٹتے ہوئے کہا۔پھر اس نے فوٹو گرافر سے پوچھا۔

''فوٹو لے لیے سب؟''

''جی ہاں۔''اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

لاشیں ٹرک پر چڑھا دی گئیں اور دو پولیس کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی اس مقام پر لگا کر ایس پی ساونت کو رپورٹ مرتب کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شب گردی

ڈپٹی کمشنر پولیس مسٹر ساہنی دیر تک ان فوٹو ؤں کو دیکھتے رہ گئے ۔ان لاشوں کی کیفیت عجیب تھی ۔ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ انسانوں کی لاشیں ہیں یا پگھلے ہوئے ربڑ کے بے ڈول پتلے ۔

وہ بہت دیر تک صرف سوچتا ہی رہ گیا ۔ایس پی کرلا بی ڈویزن سے تمام واقعات سن لینے کے بعد بھی وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا ۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اس کے سامنے تھی ۔اس میں اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ ڈرائیور کو کسی خنجر سے مارا گیا اور ہیڈ کانسٹیبل کے سر پر کسی وزنی چیز سے ضرب لگائی گئی تھی ۔اس سے ثابت ہوتا تھا کہ قاتل دو یا دو سے زیادہ تعداد میں تھے ۔بہر حال پولیس ڈرائیور اور ہیڈ کانسٹیبل کا قتل عام طریقے سے ہوا تھا ۔

اس لیے شاید قاتلوں کی گم شدگی کے سوا کیس میں مزید اسرار وابستہ نہ ہوتے ، لیکن ی قتل دو ایسی لاشوں کے حصول کے لیے کیے گئے تھے جو بڑی ہیبت ناک اور عجیب موت مری تھی ۔ڈپٹی کمشنر کو اس وقت اس سمجھ میں نہ آنے والے کیس کے لیے شعبہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خان سے زیادہ موزوں شخصیت اور کوئی نظر نہ پڑی ۔

ایس پی بی ڈویزن کرلا کو رخصت کرنے کے بعد اس نے فون اٹھا لیا ۔سلسلہ ڈی آئی جی انٹیلی جینس برانچ سے ملایا گیا تھا اور ادھر سے ڈی آئی جی خود بول رہے تھے ۔

’’آپ نے وہار لیک والے کیس کا تو سنا ہی ہوگا ،اور پولیس ڈرائیور اور ہیڈ کانسٹیبل کے قتل کا قصہ بھی ؟‘‘

''جی ہاں، مجھے خبر مل چکی ہے، بلکہ میں فوٹو بھی دیکھ چکا ہوں۔'' ڈی آئی جی کا جواب ملا۔

''پھر کیا خیال ہے آپ کا۔ مجھے تو اس کیس کی نوعیت بالکل مختلف اور پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ سب انسپکٹر ساونت کا کہنا ہے کہ اس نے اس قسم کی واردات کبھی خوب و خیال میں بھی نہیں دیکھی۔'' کمشنر نے کہا۔

''میری رائے میں یہ کیس خان صاحب کے سپرد کیا جانا چاہیے۔'' ڈی آئی جی نے مشورہ دیا۔

''بالکل یہی میں نے سوچا تھا۔ بہرحال میں اس کیس کو آپ کے محکمے کی طرف ٹرانسفر کر رہا ہوں، آپ خود انھیں سونپ دیجیے۔'' ڈپٹی کمشنر بولا۔

''بہت خوب۔'' ڈی آئی جی نے جواب دیا۔

اس کے بعد ڈپٹی کمشنر نے فون رکھ کر کال بیل کا سوئچ دبایا۔ جواب میں بجائے چپراسی کے خود ان کا ہیڈ اسسٹنٹ ہی کچھ فائلیں لیے اندر آ پہنچا۔

''میں آپ کو ہی بلا رہا تھا۔ دیکھیے وہار لیک والا کیس اور اس کے سلسلے کے پولیس ڈرائیور اور ہیڈ کانسٹیبل عبدالرحیم کے خون کے کیس کو انٹیلی جینس برانچ کو ابھی ٹرانسفر کر دیجیے۔ اس پر پریارٹی (Priority) سلپ بھی لگا دیجیے گا۔'' ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا۔

''بہت خوب۔'' ہیڈ اسسٹنٹ فائلیں رکھ کر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''میں نے سنا ہے کہ سرکار سے آپ کو لڈو انعام میں ملے ہیں۔'' سویرے سویرے سارجنٹ بالے سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے

بولا۔

''خیر مجھے تو لڈو سہی، لیکن تمہیں ضرور جوتے انعام میں ملنے چاہئیں۔ کہاں تھے تم رات بھر؟'' خان نے بگڑتے ہوئے موڈ سے سوال کیا۔

''آپ تو اس طرح پوچھ رہے ہیں جیسے میں نے اپنی ولدیت میں آپ کا نام لکھوا دیا ہو۔''

''گدھے، میں پوچھ رہا ہوں، تم رات کہاں تھے؟''

''زمین کے نیچے آسمان کے اوپر...اف کیا حسین رات تھی۔ بے چاری میگی رات بھر پوچھتی رہی، وہیرا زمسٹر خان، کم بخت بری طرح دم بھرتی ہے آپ کا۔ کہتی تھی عنقریب خودکشی کرنے والی ہے۔''

''میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔'' خان بگڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے ارے، لیجیے آپ غصے میں ہی آ گئے۔ خیر میں اس سے کہہ دوں گا کہ وہ آپ کا خیال چھوڑ دے۔ آپ ایک درجن بچوں کے باپ ہیں۔'' بالے صوفے کے کونے میں دھنس کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''بالے، میں ان بے ہودگیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ آج سے تم اگر میجسٹک گئے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' خان نے اسے وارننگ دی۔

''چچ چچ، میں تو زمانے بھر میں پروپیگنڈہ کرتا پھرتا ہوں کہ آپ سے اچھا کوئی ہوتا ہی نہیں اور آپ...''

''شامت آ رہی ہے کیا؟''

''سر تسلیم خم ہے، حضور۔ لیکن اگر میں یہ بتاؤں کہ رات خادم دریا دریا جنگل جنگل آوارہ گردی کرتا شہرِ داغستان نکل گیا تھا اور وہاں ایک ملکۂ حسن جہان آرا، آلو بخارا، چندے مہ پارہ، چندے قدیم گھٹارہ سے ملاقات ہو گئی۔''

''تم نے بکواس بند کی تو میں تمہاری ہڈیاں پیس ڈالوں گا۔''

''دھندا اچھا ہے، شکر سفید کرنے کے کام آتی ہے۔''

''آخر یہ دماغ کیوں بہک رہا ہے تمہارا آج؟'' خان نے اس کی گردن تھام لی۔

''دیکھیے آپ نے ایک بے گناہ معصوم پر ظلم کیا تو فرشتے قیامت کے دن آپ کو ڈنڈے ماریں گے۔'' بالے نے اپنی گردن کی گرفت ڈھیلی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گھٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تم میجسٹک ہوٹل کیوں گئے تھے رات کو؟''

''مس میگی نے اپنے دادا مرحوم کا فاتحہ کیا تھا، اس کی دعوت میں شرکت کرنے کے لیے۔''

''پھر وہی بے ہودگی۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں، مس میگی وہاں موجود تھی۔'' بالے نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

''موجود تھی؟ میگی؟'' خان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

''میں نیو امپائر سنیما سے اس کا تعاقب کرتا ہوا میجسٹک گیا تھا۔''

''لیکن تم نے اسے گرفتار کیوں نہیں کیا۔''

''مجھے رحم آ گیا، کیوں کہ وہ آپ کے ہاتھوں گرفتار ہونے میں ذرا فخر محسوس کرتی۔''

''بالے سیدھے ہو جاؤ، ورنی ایک منٹ میں دماغ درست کر دوں گا۔''

''لیجیے، ہو گیا۔''

''تم نے اسے گرفتار کیوں نہیں کیا؟''

Akram Allahabadi

''سچ سچ بتا دوں؟''

''ہاں بکو۔''

''مجھے اس سے کچھ کچھ محبت ہو گئی ہے۔''

''میں تمہیں بھی جیل بھیج دوں گا، مردود۔''

''بھیج دیجیے، خود پچھتایے گا۔ایک نیک شاگرد کی معاونت سے محروم ہو کر۔''

خان کی جھنجلاہٹ اب واقعی غصے میں تبدیل ہونے لگی۔کبھی کبھی بالے ضد پر آ کر اتنی بکواس کر ڈالتا کہ خان واقعی غصے میں آ جاتا، مگر وہ اس کے موڈ سے اچھی طرح واقف تھا۔اس لیے ایسے موقع پر فوراً کوئی کام کی بات چھیڑ دیا کرتا تھا، جس سے اس کا موڈ پھر بدل جاتا۔

اس وقت بھی خان کو بپھرتے دیکھ کر وہ فوراً دوسرا ذکر چھیڑ بیٹھا۔

''آپ نے وہارلیک والا کیس ہاتھ میں لے لیا ہے نا؟''

''تم جیسے نکمے آدمی کو یہ جاننے کی کیا ضرورت ہے، جاؤ میجسٹک میں آوارہ چھوکریوں کے ساتھ بال ڈانس کرو۔''خاں کے لہجے میں طنز اور غصہ دونوں تھے۔

''میں کام کی بات کر رہا ہوں، قبلہ۔''بالے نے اور زیادہ سنجیدگی اختیار کی۔

''میں نکما ہوتا تو میرے والدین مجھے پیدا ہی نہ کرتے۔''

''مردود۔''خان بگڑا۔

''دیکھیے، بڑی اچھی بات بتا رہا ہوں۔''بالے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''بولو۔''خان نے ہاتھ روک لیا۔

''آپ نے ان لاشوں کی تصویر اور وہارلیک کی پہاڑی کے اس مقام کا جہاں لاشیں ملی تھیں، معائنہ کیا تھا نا؟''

Akram Allahabadi

''ہاں، بکو۔''

''اور آپ نے یہ کہا تھا کہ یہ طریقۂ قتل عجیب وغریب ہے جیسے کسی گول دائرے میں ہر چیز کو پگھلا دیا ہو۔''

''تم کیا جھک مار رہے ہو، اس کا اظہار کرو۔''

''رات میجسٹک میں مس میگی کے ساتھ ایک ٹیبل پر ایک گورے رنگ کا ادھیڑ عمر اور بھاری بھرکم آدمی کہہ رہا تھا...'' کہتے کہتے وہ پھر رک گیا۔

''جلدی سے بک جاؤ، تمہیں معاف نہیں کیا گیا ہے۔''

''وہ کہہ رہا تھا، میں پتھر کو موم بنا سکتا ہوں۔'' بالے نے بتایا۔

''ہوسکتا ہے کہ میگی اس کے ساتھ سنگ دلی برت رہی ہو اور وہ اسی کی مثال دے رہا ہو۔''

''جی نہیں، اس کا لہجہ قطعی مختلف تھا۔ یہ جملہ ادا کرتے ہوئے اس نے کچکچا کر اپنی ایک مٹھی بھی بھینچ لی تھی۔

''تو اس لیے تم نے میگی پر ہاتھ نہیں ڈالا۔''

''میں نے اسے اپنی طرف دیکھنے بھی نہیں دیا، ورنہ وہ چوکنی ہو جاتی۔ وہ لوگ کل رات پھر میجسٹک میں ۹ بجے مل رہے ہیں۔''

''تو محض اتنی سی بات پر تم نے میگی کو معاف کر دیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ وہ ڈیسوزا کے قاتلوں میں شریک تھی۔'' خان نے بالے کو جھاڑا۔

''میں ایک پنتھ دو کاج والے فلسفے پر عمل کر رہا تھا۔''

''خیر، میں اس شخص کو دیکھ کر ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔ ویسے تم نے کوئی خاص کام نہیں کیا ہے جس پر میں تمہیں چمکاروں۔ جاؤ کپڑے بدل لو۔'' خان نے اسی اکتائے ہوئے موڈ میں اسے ڈانٹ سنائی۔

Akram Allahabadi

''ہونہہ، ساری محنت گ ء ء بھار میں، لاحول ولاقوۃ۔'' بالے بڑبڑاتا ہوا چل دیا۔

''ٹھہرو۔'' خان نے آواز دی۔ وہ رک گیا۔

''اس کے بعد کہاں رہے تم؟''

''اپنی ماں کے گھر جا کر سو گیا تھا۔'' بالے نے منہ لٹکا کر جواب دیا۔

''خیر، میں معلوم کرلوں گا۔'' خان نے یہ کہہ کر منہ پھیر لیا، کیوں کہ بالے کا یہ طفلانہ انداز دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ پرسوں ہی وہار لیک والے کیس کا چارج لے کر تفتیش شروع کر چکا تھا، جہاں ایمبولینس ملی تھی، اس مقام کے معائن سے تو کوئی رائے قائم نہ کی جا سکی، سوائے اس کے کہ ویبولینس کے پچھلے دروازے پر جسے کھول کر قاتلوں نے وہ بگڑی ہوئی لاشیں نکالی تھیں، کسی کی انگلیوں کے نشانات رہ گئے تھے، جن کے پرنٹ لے لیے گئے اور ٹیسٹ کے لیے ریکارڈ آفس بھیج دیے گئے تھے۔

لیکن کل وہار لیک پر جائے وقوعہ کا معائنہ کرنے کے بعد وہ ایک عجیب سی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ واقعی اس کیس کی نوعیت بالکل مختلف اور حیرت انگیز تھی۔ اس دائرے کو جس کے حلقے میں آنے ولی ہر چیز، حتٰی کہ پتھر تک جھلسے معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے کئی بار غور سے دیکھا اور ایک بار اسی لیول میں ایک گول پتر ار کھ کر اس کے انعکاس کا اینگل بھی اس نے معلوم کرنے کی کوشش کی۔

اسے شک تھا کہ کوئی بھی بغیر دھماکے کے آتش گیر اثرات یا غیر معمولی حدت والے کسی خطرناک آلے سے یہ حملہ کیا گیا ہے اور اس کے پھینکے جانے کا اینگل ۷۵

ڈگری ہوسکتا ہے اور جب پرکار کا ایک سرا دائرے کی ڈھلوان زمین پر لٹا کر اس نے ۷۵ ڈگری کے زاویے سے سامنے کی طرف دیکھا تو اسے درمیانی خلا کے بعد وہار لیک تک آنے والی نیم پختہ سڑک کے اس پار کھڑا ہوا سامنے کا اونچا پہاڑ ہی نظر آیا۔

چند گھنٹوں کے بعد محض اپنے اندازے کی بنا پر پھر وہ بالے کے ساتھ ہی اس پہاڑ پر بھی جا پہنچا اور اس کے وہار لیک واقع پر وہ چوٹی پر پہنچ کر آس پاس کی تمام چٹانیں اور گڑھے دیکھ ڈالنے کے بعد سڑک کی سمت والے ڈھلوان پر اترنے لگا۔

پہاڑ پر کچھ بھی نہ تھا لیکن چند قدم ہی نیچے آنے کے بعد ایک چوڑی اور اونچی چٹان کے نزدیک وہ رک گیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ اس چٹان پر چار جگہ برابر برابر فاصلے سے کچھ ایسے نشانات تھے جیسے اس پر کوئی فولادی چیز کسی گئی ہو اور جس کی وجہ سے پتھر کی سطح بھی ان جگہوں پر چٹک گئی تھی۔

خان نے جیب سے اسٹیل ٹیپ نکال کر جب ان چار نشانات کے درمیانی فاصلے کو ناپا تو وہ ایک طرف سے ۲/۱.۲ فٹ اور دوسری طرف سے ۲/۱.۳ فٹ معلوم ہوتے تھے۔ اس طرح شاید یوں ۲/۱.۳ فت لمبی اور ۲/۱.۲ فٹ چوڑی کوئی چیز بانکوں سے فٹ کی گئی تھی۔

لیکن اس نئے معائنے کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ نتائج نہ نکل سکے اور وہ لوگ لوٹ آئے۔ ابھی تک خود سپرنٹنڈنٹ خان اس عجیب کیس کی تحقیق کے لیے کوئی باقاعدہ راستہ منتخب نہ کر سکا تھا اور بات کچھ سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

صبح سے اسے بالے کا ہی انتظار تھا۔ دونوں وارداتیں کیوں کہ مضافات میں ہوئی تھیں، اس لیے آج وہ اندھیری سے کرلا اور گھاٹ کوپر ایک راؤنڈ لگانے کا پروگرام بنا کر بیٹھا تھا۔

بالے جلدی کپڑے تبدیل کر کے چلا آیا۔ خان کی سرکاری گاڑی نیلی

شیورلیٹ باہر کھڑی تھی وہ اس میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے ۔گاڑی خود خان ڈرائیور کر رہا تھا اور بالے بغل میں بیٹھا کسی لاخیرے بچے کی طرح چیونگم چبا رہا تھا۔

''یہ جگالی بند کرو، کیا چپڑ چپڑ لگا رکھی ہے۔''خان نے اسے ڈانٹ دیا اور اس نے برا سا منہ بنا کر چیونگم باہر تھوک دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عجیب تجربہ

''آخر آپ چل کہاں رہے ہیں؟'' بالے نے کار کو آگرہ روڈ پر گھومتے دیکھ کر پوچھا۔

''جہاں سے آئے تھے۔''

''مگر ہواں تک تو کوئی سڑک نہیں پہنچتی، سیڑھی لگا کر چڑھنے کی کوشش کیجیے تو شاید کسی فرشتے کو رحم آجائے اور وہ اوپر اٹھا لے۔''

''تم اگر اپنی چونچ بند رکھو تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

''مجھے یہ معلوم کرنے کا حق ہے مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔''

''کاش تم مرد نہ ہوتے تو میں تمہارے اس جملے پر غور کرتا۔''

''یہ لیجیے کرلا سائن روڈ پر آپہنچے۔''

''چپ بیٹھو۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا اور وہ] ہلو بدل کر خاموش ہوگیا۔ ساکی ناکہ پر پہنچ کر خان نے کار وہار لیک کے راستے پر گھما دی۔

''کیا آپ وہاں کچھ، باقی آئندہ، کرآئے تھے؟''

''شاید۔'' خان نے مختصر سا جواب دیا اور بالے سمجھ گیا کہ اس وقت خان گفتگو کے موڈ میں نہیں ہے۔ بالے اپنی عادت سے مجبور تھا، اس سے زیادہ دیر خاموش نہ بیٹھا جاتا تھا۔ بسا اوقات جب کوئی نہ ملتا تو خان کے کتوں، ٹیری اور نامی سے ہی بات چیت چھیڑ دیتا اور وہ بے چارے بھی تنگ آکر اسے اپنے لہجے میں مہذب گالیاں دینے لگتے۔

گاڑی نصف گھنٹے میں وہار لیک پہنچ گئی۔ خان کار سے اتر کر پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اسے اٹھاؤ۔''

Akram Allahabadi

''کیا کھٹمل بھر گئے ہیں؟''

''جلدی کرو، بکواس پھر کر لینا۔''خان جھنجلا گیا۔

''بالے نے اس کے کہنے پر جب پچھلی سیٹ کے گدّے اٹھائے تو ان کے نیچے ایک دو فٹ قطر کا گول فریم رکھا ہوا تھا۔

''اسے پچھلی سیٹ پر رکھ دو اور تم اس جگہ جا بیٹھو جہاں دو لاشیں ملی تھیں، اس دائرے میں بیٹھنا۔''خان نے ہدایت کی۔

''اور وہاں بیٹھ کر مقتول کی روحوں کو ایصال ثواب کرتا رہوں یا صرف فاتحہ پڑھوں۔''بالے نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں سامنے والے پہاڑ پر جا رہا ہوں، ایک تجربہ کرنے۔تم صرف مجھے یہ رپورٹ دو گے کہ وہاں سے تم تک کیا چیز پہنچی۔اور ہاں یہ سرخ کپڑا کسی ریب کے درخت میں باندھ دینا یا اسے خود ہی ہلاتے رہنا۔''

''آپ کی بات اسی دائرے کی طرح گول ہے۔''

''اور تمہاری عقل بھی۔''یہ کہہ کر خان پھر کار میں بیٹھ گیا اور کار واپس روانہ ہو گئی اور بالے اجنٹا ہوٹل سے سگریٹ خریدتا ہوا اوپر پہاڑی پر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

سڑک کے کنارے ایک درخت کے سائے میں گاڑی روک کر خان نے وہ گول فریم بغل میں دبا لیا اور اکیلا اس پہاڑ پر چڑھنے لگا۔اس کی تن درستی قابلِ رشک تھی، اس لیے اس پر چڑھائی کا اس پر اثر تک نہ ہوا۔اوپر پہنچ کر اس نے اسی نشان زدہ چٹان پر اس فریم کو رکھ دیا اور اوپر سے اس کا کور اتار لیا۔ریفلکٹر آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کے عکس سے خود ایک سورج کی طرح چمکنے لگا۔

خان نے اسے ان نشانوں کے بیچ میں ترچھا رکھ کر سورج کے سامنے کر دیا۔

اس وقت ۱۱ بجے تھے، سورج بھی ۷۵ ڈگری کے زاویے پر تھا اور اس ریفلکٹر پر اس کا عکس پڑتے ہی ہی ریفلکٹر جھم جھمانے لگا۔ خان نے بندوق کے نشانے کی طرح سے اس کا عکس وہار لیک والی پہاڑی پر ڈالنا شروع کیا۔ وہار لیک والی پہاڑی پر ڈھلوان کی طرف سرخ کپڑا لہراتا ہوا نظر آیا، جب اسے دوربین نکال کر خان نے دیکھا، بالے ریلوے گارڈ کی طرح کھڑا اس کپڑے کو ہلا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے مسکراتے ہوئے ریفلکٹر کو سیدھا کر دیا اور پھر اس کا کور اس پر کس کر واپس لوٹ پڑا۔ وہ جب اپنی کار میں واپس وہار لیک پہنچا تو بالے نیچے اتر آیا تھا۔ اس کی موٹر دیکھتے ہی اس نے لال جھنڈی ہلانی شروع کر دی۔

''چلو بیٹھو جاؤ گاڑی میں۔'' خان نے اسے ہدایت کی۔

''بس، کام ختم؟'' بالے نے بھولی صورت بنا کر پوچھا۔

''کچھ نظر آیا تمہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''دن میں تارے نظر آ رہے تھے۔''

''بکو مت۔''

''آپ شاید وہاں سے کوئی پراسرار قسم کی لائٹ پھینک رہے تھے مجھ پر۔ اس کا دائرہ بھی گول تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''وہ ریفلکٹر تھا۔ اسے سیٹ کے نیچے رکھ دو۔'' خان نے کہا اور بالے نے حکم کی تعمیل رکتے ہوئے ریفلکٹر سیٹ کے نیچے رکھ دیا اور خود خان کے پاس آ بیٹھا۔ خان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''اس سب جھنجٹ کا مطلب کیا تھا آخر؟'' بالے نے پوچھا۔

''نامعلوم قاتلوں نے ضرور کوئی خطرناک تجربہ کیا تھا، اور وہ بھی کسی ایسی

Akram Allahabadi

عجیب مشین سے جو اس پہاڑ پر ایک چٹان میں فٹ کی گئی تھی اور جو اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کو جھسا دیتی ہو۔"

"ایسا کیا ہو سکتا ہے؟"

"یہی معلوم ہوتا تو پھر اس قدر جھک مارنے کی ضرورت کیا تھی۔تم نے جاسوسی کو کیا بنگالی رس گلہ سمجھ رکھا ہے یا علمِ غیب۔"

"مگر اس پہاڑ پر بیٹھ کر اس پہاڑی پر قتل کرنے کا کوئی سبب؟"

"ہوسکتا ہے کہ جان بوجھ کر ان لوگوں نے ان دونوں کو نہ ہلاک کیا ہو، بلکہ وہ خود اتفاق سے ان کے تجربے کی زد میں آ گئے ہوں۔" خان نے سمجھایا۔

"سمجھ میں آنے سکتا ہے۔" بالے نے سر ہلا کر بولا۔

"لیکن وہ مشین ضرور انتہائی خطرناک طاقت رکھتی ہوگی۔اسے بڑی سے بڑی دہشت انگیزی کے کام میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ہمیں کس طرح اس کا سراغ نکالنا چاہیے۔"

"وہ تو اپنا کام ہی ہے کوئی نئی بات کہیے۔"

"نکمے نہ ہوتے تو آج کوئی عہدہ مل گیا ہوتا۔"

"آپ شاید میرے بارے میں فرما رہے ہیں؟"

"بے غیرت ہو۔"

"اپنا اپنا خیال ہے۔"

"نہ جانے وہ لوگ کون ہیں۔"

"لوگ۔"

"ہاں، یقیناً وہ آدمی اکیلا نہیں ہوسکتا جو اتنی پراسرار طاقت کا مالک ہے۔"

"میں بتاؤں وہ کون لوگ ہیں۔"

Akram Allahabadi

''کیا مطلب؟''

''وہ ضرور کسی خوب کی دنیا سے آئے ہوں گے یا پھر وہ کوہ قاف، کاف یا گاف کے جن ہوں گے۔''

''بالے، آج تمہارے اسکروا تنے ڈھیلے کیوں ہو گئے ہیں۔''

''اس لیے کہ رات میں نے کتنی ایمان داری سے آپ کو خوش کرنے کے لیے اس حرام زادی کا پیچھا کیا اور صبح صبح آپنے انعام دیا تو موٹی موٹی گالیاں، لاحول ولا قوۃ۔''

''تو کیا تمہیں گود میں بٹھا کر پیار کرتا۔''

''پھر وہی بھونڈا مذاق۔''

''میں تمہیں اپنی اتفاقیہ اولاد سمجھتا ہوں۔

''حضور کا شکریہ۔میرا صرف ایک باپ گزرا ہے۔بے چارہ بڑا نیک آدمی تھا۔''

''تب ہی تم جیسی نامعقول اولاد پیدا ہوئی۔''

وہ ان ہی بے سر پیر کی باتوں میں راستے کی بوریت کو فراموش کر رہے تھے۔ گاڑی اب کرلا روڈ پر دوڑ رہی تھی۔

''یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ عین وقت پر ڈرائیور اور ہیڈ کانسٹیبل کا خون کیسے ہوگیا؟''بالے نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے وہار لیک پر جب صبح صبح جانوں کی اس طرح ہلاکت کی خبر پھیلی ہوگی تو وہ انکے آدمی کس طرح اس راز یا خون کو چھپانے کے لیے ان لاشوں کو غائب کرنے کے لیے آپہنچے ہوں گے۔مگر پولیس کو آجانے سے انھیں موقع نہ ملا ہوگا،اس لیے انھوں نے ایمبولینس کا پیچھا کر کے اسے راستے میں دھر لیا اور ظاہر ہے کہ ایک جرم کو

چھپانے کے لیے انھیں دوسرا جرم کرنا پڑا۔یعنی دوخون اور۔مگر...'' یہ کہتے کہتے خان خود سوچ میں پڑ گیا۔

''مگر کیا؟''

''وجہ اس سے مختلف بھی ہوسکتی ہے۔'' وہ دماغ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''ممکن ہے انھیں انسانی جانوں سے کوئی ہم دردی نہ ہو اور وہ صرف ان دو لاشوں کو محض اپنے طریقِ قتل کو راز میں رکھنے کے لیے ہی حاصل کرنا چاہتے ہوں، کیوں کہ ان کے مل جانے سے تو منکشف ہوسکتا تھا کہ وہ کس طرح ہلاک کیے گئے ہیں۔'' خان نے کہا۔

''اور کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی بے رحم شخص محض اپنے تجربے کا نتیجہ دیکھنے کے لیے انھیں حاصل کرنا چاہتا ہوں؟'' بالے نے بھی اپنی رائے دے ماری۔

''ہاں، یہ بھی قرین قیاس ہے۔بہر حال ان تمام صورتوں میں ان آدمیوں یا ان کے گرگوں کا مضافات کے ہی کسی قریبی علاقے میں ہونا زیادہ ممکن ہے ورنہ وہ صبح صبح اتنی جلدی نہ پہنچ جاتے۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے حالت پر مزید غور کرتے ہوئے اظہارِ خیال کیا۔

''آپ سب یہیں بتا دیں گے،تو پھر رہ ہی کیا جائے گا۔''

''احمق، ابھی تو یہ بھی پتا نہیں کہ وہ کون ہیں، کیوں کہ انھوں نے یہ بے رحمانہ حرکت کی ہے اور کس طرح کی ہے۔'' خان نے کارکو ماہم بل پر آہستہ کرتے ہوئے کہا۔

شراب بندی پولیس کے ڈیوٹی والے سارجنٹ نے انھیں دیکھتے ہی اٹنشن ہوکر سلامی جھاڑی اور خان سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتا ہوا کار سڑک پر رکھے ہوئے ڈرمز زگ زیگ سے نکال لیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

وہار لیک بمبئی شہر سے تقریباً بیس میل دور مضافاتی اسٹیشن کرلا گھاٹ کوپر اور سائن کے درمیان واقع ہے ۔ بمبئی میں شہر سے مضافات تک لوکل ٹرینوں کے علاوہ سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے، جن پر نیم سرکاری اور سرکاری بسیں مسافروں کو لے کر تمام دن دوڑتی رہتی ہیں ۔

ہندوستان کے سب سے بڑے شہر اور کاروباری و صنعتی مرکز کی حیثیت سے یہاں شہر سے پھیل کر مضافات میں بھی اس قدر آبادی بس گئی ہے کہ شہر اور مضافات میں کوئی فرق یا فاصلہ نہیں معلوم ہوتا تھا ۔

حتٰی کہ شہر سے میلوں دور کے علاقے بھی شہر کے محلے ہی معلوم ہوتے ۔ بمبئی سے روانہ ہونے کے بعد ماہم کے پل کے اس پار مضافاتی علاقے شروع ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے اس طرح ملحق ہیں کہ ان کے صرف نام کے لیے مضافات میں شمار ہے ورنہ وہ شہر بمبئی کے جز بن چکے ہیں ۔

سڑک کے راستے ماہم سے سائن اور سائن سے کرلا، جو سڑک جاتی ہے، سا کی نا کہ اسی رودرمیان میں واقع ایک کم آباد مقام ہے، جہاں ایک تیسری نیم پختہ سڑک شمال کی طرف جاتی ہوئی کرلا پائپ لائن کراس کر کے مغرب کی طرف گھومنے لگتی ہے اور پھر اسی طرح گھومتی ہوئی چندیولی روڈ کراس کو عبور کر کے وہار لیک تک پہنچ جاتی ہے ۔

یہ تمام علاقے شہر سے کم مگر کافی گنجان آبادی رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے یہاں نام زد پرانے مجرموں کے علاوہ نئے مجرموں کا پتا پانا مشکل ہے ۔ ۱۵ لاکھ کی آبادی رکھنے والے اس عظیم شہر میں ہندوستان کے کئی صوبوں سے بہتر انتظام ہے ۔ یہاں کی پولیس ملک کے ہر علاقے سے زیادہ مستعد اور بہتر ہے ۔

اتنے بڑے شہر میں جہاں ہر روز بیس پچیس آدمی مختلف حادثات سے ہلاک

ہو جاتے ہوں جرائم کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، لیکن بمبئی کی پولیس کے ہاتھ سے کسی چالاک سے چالاک مجرم کا بچ نکلنا بہت مشکل ہے، خاص کر بمبئی پولیس کا محکمۂ سراغ رسانی اپنی گارگزاریوں کے لیے مشہور تھا۔ اسے انتہائی پے چیدہ اور پراسرار جرائم کی رفتار اور گتھیاں سلجھا دینے پر عبور حاصل تھا، خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں۔

بمبئی کی پولیس، ایک دو سال بعد واپس آنے والے کسی مفرور قاتل کو بھی نہیں چھوڑتی ہے، اسے دھوکا دینا آسان نہیں ہے۔

سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں کو یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کی ناک سمجھا جاتا تھا اور یہ جائز بھی تھا، کیوں کہ سپرنٹنڈنٹ خان نے بہت سے ایسے سنگین قتل واغوا کے مقدمات اپنی خداداد ذہانت اور اپنی سراغ رسانی سے حل کیے تھے، جن کے بارے میں یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حل ہو جائیں گے۔

وہ بمبئی میں لائیڈ بینک کی ۱۲ لاکھ کی رقم لوٹ کر ایک آدمی کا خون کر دینے والے ایک تعلیم یافتہ اور چالاک گروہ کو اپنی سراغ رسانی کے عجیب ڈھنگ سے دہلی سے جا کر پکڑ لایا تھا۔ اس نے چمبور کے جنگل میں جلنے والی لاش کی کھوپڑی اور ہڈیوں سے ایک لڑکی کے قتل اور قاتل کا سراغ نکالا تھا، اور اس نے پنجاب میل پر چلتی ٹرین میں ہونے والے ایک پارسی کے قتل میں ماخوذ ایک نامعلوم قاتل کو صرف اس کے ایک انڈر ویئر کے سہارے برآمد کر لیا تھا۔

خان کی یہی خصوصیات تھیں جنھوں نے اسے بمبئی پولیس کے اعلیٰ احکام کی نظروں میں ممتاز اور پسندیدہ بنا دیا تھا۔ پولیس کمشنر سے لے کر حکومت کے وزرا تک اس کی صلاحیتوں کے معترف تھے اور یہی وجہ تھی کہ جو اہم کیس سول پولیس کے بس سے باہر ہو جاتا یا جس میں عام اسٹاف تحقیق یا سراغ رسانی کرنے میں ناکام رہتا، وہ خاص طور پر سپرنٹنڈنٹ خان کے سپرد کر دیا جاتا تھا اور خان کچھ ہی عرصے میں اس کے بخیے ادھیڑ کر

رکھ دیتا۔

وہارلیک والا کیس بھی اس قدر پیچیدہ تھا کہ بڑے افسر تو اس کی نوعیت تک نہ سمجھ سکے تھے، اور پھر یکے بعد دیگرے ایک ہی سلسلے کے چار خون ہو جانے پر یہ جان کر کہ حالات اب بہت پراسرار اور اہم نوعیت رکھتے ہیں، یہ کیس بھی خان کے سپرد کر دیا گیا۔ خان کبھی تھکتا نہ تھا۔ اسے خود بھی رازہائے سربستہ کو حل کرنے اور زیادہ سے زیادہ خونناک مجرموں کو قابو میں کرنے کا گویا شوق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہر کے بڑے سے بڑے جرائم پیشہ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور پبلک میں جہاں اس کا ذکر آتا، لوگ وقعت اور محبت سے اس کا نام لیتے تھے۔ وہ عوامی زندگی کو شر پسندوں اور مجرموں سے محفوظ رکھنے کی کوشش میں پولیس کے دوسرے ذمہ داروں کے ساتھ اہم حصہ ادا کر رہا تھا اور اسی لیے لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔

وہارلیک کا کیس ہی وہ پہلا کیس تھا جس نے اس کے دماغ کو کافی الجھا دیا تھا۔ واردات کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ ایک میل دور سے کسی کو قتل کر دینے کا یہ پہلا عجیب اور سنسنی خیز واقعہ تھا۔

پریس کے حلقوں میں تو ابھی تک صرف وہارلیک پر پائی جانے والی دو لاشوں اور کرلا روڈ پر ایمبولینس سے ان کی گم شدگی اور ڈرائیور روہیڈ کانسٹیبل کے قتل تک ہی رپورٹیں ظاہر ہوئی تھیں۔ اور جب سے خان نے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لیا تھا، پریس والوں کے فون کال نے اس کا اٹھنا بیٹھنا حرام کر دیا تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہارلیک کا حادثہ کیا تھا، کیوں تھا اور پولیس اس کے بارے میں کیا کر رہی ہے، سر دست کس نتیجے پر پہنچی ہے۔

لیکن کمشنر سے اجازت لے کر اس نے اس واردات کی خبروں اور ان کی تفصیلات کو سر دست محفوظ رکھنے کے لیے پریس کو کچھ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے

لوگ کچھ جانتے بھی نہ تھے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور جو کچھ ہوا ہے اس کے پردۂ راز میں کی ا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ آپ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کو آئینہ دکھا کر چلے آئے۔'' بالے نے کار سے اتر کر خان کے بنگلے کی پورٹیکو والی داخلی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔

''رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''شاید آپ کا اشارہ امیر خسرو کی طرف ہے۔''

''جاہلوں سے یہی توقع کی جاسکتی ہے۔'' وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ پھر اس نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر ڈالتے ہوئے ٹیلی فون رسیور اٹھا لیا اور ڈائل گھمانے لگا۔

دوسری طرف پولیس کی رکارڈ آفس سے انسپکٹر میراجکر بول رہا تھا۔

''وہ فنگر پرنٹس ٹیلی کیے گئے؟'' خان نے دریافت کیا۔

''ایمبولینس مرڈر کیس والے؟'' میراجکر نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''بالکل ٹیلی تو نہیں ہو رہے ہیں، لیکن ایک شخص کے فنگر پرنٹس سے مشابہت ضرور رکھتے ہیں۔'' میراجکر نے جواب دیا۔

''کون ہے وہ؟''

''ڈونگری کے علاقے کا ایک مشہور بدمعاش داؤد، جسے تین سال پہلے تڑی پار کیا جا چکا ہے۔'' میراجکر نے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''اس کے رکارڈ اور فوٹو کی ایک کاپی مجھے بھیج دیجیے۔''

''بہتر ہے۔'' میر اجکر نے جواب دیا۔

''داؤد۔'' خان بڑبڑاتا ہوا صوفے پر آبیٹھا۔ ''تم جانتے ہو گے اسے، بالے؟'' اس نے بالے سے پوچھا۔

''میں اس کی سات پشت کو جانتا ہوں۔ فرمایئے کیا بات ہے؟''

''کیسا آدمی تھا؟''

''انتہائی بدمعاش اور خطرناک، اسی لیے تڑی پار کیا گیا تھا اسے۔''

''اس کے کچھ نہ کچھ ساتھی وہاں ضرور ہوں گے، تم کسی طرح یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ داؤد کہاں ہے۔ ممکن ہے وہ پوشیدہ طور پر بمبئی آ کر ان لوگوں کا آلہ کار بن گیا ہو۔'' خان نے ہدایت کی۔

''بس اتنی سی بات، میں کرلوں گا۔ لیکن ہاں، آج میجسٹک کا پروگرام کیا ہے؟''

''کوئی خاص نہیں، صرف تم اپنی سرکاری حیثیت میں دو کانسٹیبلو کو ساتھ لے جا کر مس میگھی کو گرفتار کرو گے، مگر میرا اشارہ ملنے پر۔'' خان نے کہا۔

''اور آپ؟''

''اب اتنے تو گدھے نہیں ہو کے آگے نہ سمجھ سکو۔''

''سمجھ گیا، خوب سمجھ گیا۔ آپ پھر اس گورے آدمی سے عشق فرمائیں گے۔''

''مردود۔''

''غلام رسول، صاحب کے لیے چائے لاؤ۔'' بالے چیخ اٹھا اور خان ڈریسنگ روم میں کپڑے بدلنے چلا گیا۔

.....

Akram Allahabadi

مسٹر وان ڈیوٹ

دروازے کے اٹنڈنٹ سے لے کر کاؤنٹر منیجر تک رات کو ۳۰-۹ بجے پولیس کو میجسٹک میں اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ میجسٹک شہر کی اعلٰی سوسائٹی کی بڑی تفریح گاہوں میں سے ایک تھا۔ ریگل سینما کے سامنے اس کی شاندار چہار منزلہ عمارت دو سڑکیں، جس کے درمیانی کونے پر کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ یہاں آنے والوں میں زیادہ تر یوروپی یا اینگلو انڈین اور پارسی ہوتے۔

مغربی سوسائٹی کے دلدادہ بعض فارغ البال ہندوستانی بھی نکل آتے تھے۔ نیچے داخلی دروازے کے بعد ایک کافی بڑے چوکور ہال کو بیچ سے پارٹیشن لگا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ تنہائی یا سکون پسند لوگ زیادہ تر اندر والے حصے میں بیٹھتے تھے۔ رات کے وقت اندر سے تمام ہوٹل بقعہ نور بنا رہتا تھا۔

بالے کے ساتھ دو پولیس کانسٹیبل بھی تھے۔ وہ اس وقت اپنی سارجنٹ والی سفید وردی میں تھا۔ اس کے گندمی چہرے پر سیاہ پی کیپ بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ کانسٹیبلوں کو دروازے پر کھڑا کر کے وہ سیدھا منیجر کے پاس چلا گیا۔

''مجھے ایک ملزم کو گرفتار کرنا ہے جو اس وقت یہاں موجود ہے۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟'' اس نے منیجر سے کہا۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔'' شریف منیجر گھبرا کر بولا۔ اور پھر خود اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے پارٹیشن والے اندر کے حصے میں داخل ہو گئے۔ بالے نے چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا۔ میکھی نے آج کافی رنگ و روپ بدل رکھا تھا، لیکن بالے کی نظر اتنی کمزور نہ تھی، اس نے دیکھ لیا۔ وہ کونے کی طرف ایک کھڑکی کے

Akram Allahabadi

پاس والی میز پر اسی سفید فام آدمی کے ساتھ بیٹھی ہنس ہنس کر گفتگو کر رہی تھی۔ مگر پولیس سارجنٹ کو داخل ہوتے شاید اس نے دیکھ لیا۔ اس کی آواز حلق میں ہی پھنس گئی اور وہ دیوار کی طرف منہ کر کے گھبراہٹ میں کچھ رک رک اس سے باتیں کرنے لگی۔

دوسری میزوں پر بیٹھے ہوئے مرد، عورتیں سب اس پولیس افسر کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ہر ایک کا چہرہ ایک سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ وہ میزوں کے درمیان سے نکلتا سرے والی میز کے نزدیک پہنچ گیا۔

''ایکس کیوزمی، مسٹر۔''

''البرٹو۔'' وہ سفید فام خوش پوش خود اخلاقاً بول اٹھا۔ لیکن بالے نے صرف اتنا کہہ کر اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

''مس میگھی، آپ اس وقت پولیس کی حراست میں ہیں۔'' وہ میگھی کی طرف دیکھ کر بولا۔

میگھی کا حسین چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ ''مگر کیوں؟'' وہ گھٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آپ خود بہتر جانتی ہیں۔ امید ہے آپ مقتول ڈیسوزا کو بھولی نہ ہوں گی۔'' بالے نے مختصر جواب دیا۔

ڈیسوزا کا نام سنتے ہی وہ اور زرد ہو گئی۔ ''لیکن... میں... میں...'' اس نے کہنا چاہا۔

''مجھے افسوس ہے، آپ کو جو کچھ کہنا ہے عدالت میں کہیے گا۔'' بالے بولا۔

وہ سفید فام آدمی حیرت سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کی بھی توجہ اسی طرف تھی۔

''مگر یہ تو مس کیڈی...'' اس نے کہنا چاہا

Akram Allahabadi

''آپ اسے نہیں جانتے ،مسٹر۔ یہ بہت مکار عورت ہے۔اس نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا۔ ویسے آپ کافی شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''بالے نے پلٹ کر اسے جواب دیا۔اور نہ جانے کیوں ،شریف آدمی کے الفاظ پر اس کے چہرے کی کیفیت پر ہلکا سا تغیر پیدا ہوگیا ،جس پر اس نے فوراً ہی قابو پا لیا۔

میگھی کچھ اور نہ بول سکی۔ وہ بالے کے ساتھ ہولی۔ سب لوگ انھیں دیکھ کر آہستہ آہستہ سرگوشیاں ہی کرتے رہ گئے اور بالے اسے لے کر باہر نکل گیا۔

''یہ پولیس والے بھی پرلے سرے کے شیطان واقع ہوئے ہیں۔''مسٹر البرٹو کی میز کے نزدیک دوسری میز پر بیٹھا ہوا ایک ادھیڑ عمر مگر تن درست اینگلو انڈینا نگریزی میں زور سے بڑبڑایا۔''یہاں لوگ لیڈیز کا کچھ رسپیکٹ نہیں کرتا۔''اس نے بڑے نفرت بھرے انداز میں یہ باقی الفاظ ہندوستانی میں ادا کیے۔البرٹو گھوم کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ کی جگہ میں ہوتا تو اس سارجنٹ کا سر توڑ دیتا۔''اس نے البرٹو کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے خود ہی کہا۔

''مگر اس نے کچھ کیا ہی ہوگا، ورنہ پولیس کیوں اس پر ہاتھ ڈالتی۔''البرٹو نے اس کی بات کا جواب دیا۔اس پر وہ شخص بڑی بے تکلفی سے اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس والی کرسی پر آ بیٹھا۔

''آپ شاید باہر سے آئے ہیں ،انھیں تو میں جانتا ہوں خوب۔ سنگ دلوں نے شراب بند کر دی۔اپنے سے برداشت نہیں ہوا تو خود بنا کر پی لی۔اس جانتے ہو کیا کیا پولیس نے؟''اس نے اتنا جملہ کہہ کر خود البرٹو سے ہی سوال کیا۔ وہ اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''پولیس نے مجھے تین مہینے کے لیے شاہی مہمان خانے بھیجا دیا۔''

''شاہی مہمان خانے؟''البرٹو نے حیرت سے پوچھا۔

''یہاں کے جیل خانوں کو کہتے ہیں۔''

''اوہ۔''وہ ہنس پڑا۔''آپ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔''اس نے کہا۔

''ارے کچھ نہ پوچھو دوست، دلچسپی تو جب تھی جب خوب پینے کو ملتی تھی۔اب تو جی چاہتا ہے ان پولیس والوں کا ہی خون پی ڈالوں۔''اس نے یہ الفاظ سنجیدہ اور جھنجلائے ہوئے موڈ میں کہے۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''البرٹو نے سنجیدگی سے آہستہ لہجے میں پوچھا۔

''جان وان ڈیوٹ۔''میرا باپ ایک انگریز کرنل تھا جو۱۹۱۴ء کی لڑائی میں مارا گیا۔''اس نے اینگلو انڈین نے البرٹو سے اپنا تعارف کرا دیا۔

''میرا نام البرٹو اسفانو ہے۔''البرٹو نے اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بغیر بارعب انداز میں اپنا تعارف کرایا۔وہ ڈیوٹ کو ہندوستانی انگلش نام سمجھا تھا۔

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، مگر میری جیبیں خالی ہیں، ورنہ آپ کی خاطر ضرور کرتا۔میں ہر سفید آدمی کو اپنا رشتے دار سمجھتا ہوں۔اس ہندوستانی کالے آدمی سے مجھے سخت نفرت ہے، سخت نفرت۔''اس نے اپنے سر کو اس طرح منہ بنا کر جھٹکا جیسے اس وقت بھی اس کے تخیل میں کوئی ہندوستانی سامنے کھڑا ہو۔

''کرتے کیا ہو؟''البرٹو نے پوچھا۔

''گھاس کھودتا ہوں اور کیا کرتا ہوں۔اپنا تو وہ حساب ہے کہ ماں کالی بیٹا گورا۔ہندوستانیوں کی حکومت میں اپنی کچھ عزت نہیں، اس لیے ریس کی بیٹنگ لیتا ہوں۔''

''آرام سے گزر ہو جاتی ہے؟''

''آرام...ہونہہ...نہ جانے کیسے خرچ چلتا ہے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

''کام چاہیے؟''

''پیسے کتنے ملیں گے؟''

''جتنا کام کرو گے۔''

''کیا کام ہوگا؟''

''کر سکو گے؟''

''کر سکوں گا؟ ہونہہ... کہو تو سارے بمبئی میں آگ لگا دوں، مگر مجھے پیسے چاہیے۔''

''خیر، مجھے ایسا کوئی کام نہیں لینا ہے تم سے۔ بہر حال تم مجھے کل اس پتے پر ملو۔'' یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا سفید کارڈ نکال کر اس کی طرف کھسکا دیا۔

''کچھ ایڈوانس چاہیے۔'' وان ڈیوٹ نے کہا۔

جواب میں دو سیکنڈ سوچنے کے بعد البرٹو نے کوٹ کے اندر کی جیب سے چمڑے کا ایک خوب صورت بٹوہ نکال لیا اور اس میں سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر آہستہ سے اس کی طرف بڑھا دیے۔

''نا ڈیو آرمائی باس۔'' وان ڈیوٹ نوٹوں کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

''کل صبح دس بجے۔'' یہ کہہ کر البرٹو اٹھ کھڑا ہوا۔

''بالکل۔'' ڈیوٹ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ اور البرٹو بیرے کی لائی ہوئی پلیٹ میں رکھے ہوئے ۸ روپے ۱۴ آنے کے بل پر دس روپے کا نوٹ رکھ کر دروازے کی طرف چل دیا۔ اتنے میں بیرا ٹیبل پر آ پہنچا۔

''اے، اس میں سے دو آنے تمہارا، ایک روپے کا اپنے لیے چوکلیٹ مانگتا۔'' وان ڈیوٹ نے خود ہی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، جس پر بیرا مرا سا

منہ بنا کر پلیٹ لے کر چلا گیا اور واپس نہیں لوٹا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پھر دو موتیں

''بے چاری رونے لگی تھی۔ کہتی تھی، مجھے بس ایک نظر مسٹر کان کو دیکھ لینے دو پھر چاہے سولی پر چڑھا دینا۔''

''کیوں کیا تمہیں نااہل سمجھا تھا اس نے۔'' خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ مجھ سے ڈرتی ہے۔''

''خیر چھوڑو یہ بکواس، اس نے البرٹو کے بارے میں کچھ بتایا تمہیں؟''

''البرٹو، یہ کون سا جانور ہوتا ہے؟''

''وہی تمہارا پتھر کو موم بنانے والا۔''

''اوہ، مگر وہ بڑی چالاک عورت ہے، اسے معلوم ہے کہ عورتوں پر پولیس زیادہ سختی نہیں کر سکتی، اس لیے اس نے اور کچھ بتانا تو دور، ڈیسوزا کے قتل میں ملوث ہونے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ مل کر شراب سازی کرتے تھے، ان ہی اسے قتل کیا ہوگا، میری تو صرف دوستی تھی۔''

''وہ اس طرح کبھی اقبالی نہ کرے گی۔ خیر وہ کیس معمولی نوعیت کا ہے اسے ہم پھر سمجھ لیں گے۔ سر دست اسے حراست میں رہنے دو، ممکن ہے ہمیں کسی وقت اس کی ضرورت بھی پڑے۔''

مگر وہ اس قدر فتنہ ہے کہ اپنی خوب صورتی سے اس نے سپاہیوں تک کو مسحور کر لیا تھا۔ کم بخت دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اسے۔''

''اور تمہاری کیا کیفیت تھی۔''

''سوچتا تو ہوں کبھی کبھی کہ اگر وہ کسی جرم میں ماخوذ نہ ہوتی تو تھوڑی بہت

محبت تو ضرور کر ڈالتا اس سے۔''

''ڈس لیتی تو؟''

''شہادت کا رتبہ ملتا۔''

''ملعون کہیں کے۔''

''کہیں کا نہیں، یہیں کا ہوں۔ اچھا اگر آپ اس وقت کہاں تھے؟''

''میں مراقبے میں بیٹھا تمہاری کارگزاری دیکھ رہا تھا۔''

''تو پھر سگے کا نمبر بھی دے دیجیے، کڑکی نے برا حال کر رکھا ہے اپنا۔''

''اور اس وقت میرا بھیجا مت چاٹو، جاؤ سو جاؤ، صبح تمہیں داؤد کے بارے میں پتا لگانا ہے۔'' خان نے اس کی طرف منہ پھیر کر رکارڈ آفس سے آئی ہوئی داؤد کی کیرکٹر رپورٹ غور سے دیکھنے لگا۔

''انسپکٹر فیض اور جامی کا بچہ دونوں آ گئے ہیں، افریقہ سے۔'' بالے نے بتانا چاہا۔ ''مجھے معلوم ہے۔'' خان نے مختصر سا جواب دیا۔

''آپ جمشید جی ہیں۔''

''اکو، سو جاؤ جا کر۔''

''میرا دیپک راگ گانے کو جی چاہتا ہے، آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔''

''کیوں؟''

''میگھی کی یاد ستا رہی ہے۔''

''تم یوں نہ مانو گے۔'' خان اٹھنے لگا۔

''جاتا ہوں، بابا، جاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ فوراً دوسرے کمرے میں چلا گیا، ورنہ ایک آدھ ہاتھ اس پر پڑ ہی گیا ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سویرے وہ جلد ہی سو اٹھے۔ بالے تو ناشتہ کرنے کے بعد ڈونگری کی طرف نکل گیا اور خان آج کا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا۔ پہلے ہی صفحے پر ایک نئی خبر دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ رات جوگیشوری کے نزدیک ریلوے لائن پر لوکل ٹرین کی زد میں آ کر کٹی ہوئی دو آدمیوں کی لاشیں ملی تھیں جنھیں سرکاری مردہ گھر پہنچا دیا گیا تھا۔

خبر میں یہ بھی لکھا تھا کہ پولیس کے اندازے کے مطابق یہ خودکشی کی واردات نہیں معلوم ہوتیں، کیوں کہ نہ تو ان کے پاس سے کوئی ایسی تحریر برآمد ہوئی ہے، نہ ہی ان کی حیثیت خراب معلوم ہوتی تھی۔ یہ اتفاقیہ حادثہ بھی نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ جس کیفیت میں لاشیں ملی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لائن پر ایک ساتھ؛؛؛ سے پار لیٹے یا لٹائے گئے ہوں گے۔ جوگیشوری پولیس اس سلسلے میں مزید تفتیش کر رہی ہے۔

خبر پڑھ کر خان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اسے نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ اسی وقت کپڑے پہن کر تیار ہو گیا اور ملازم غلام رسول کو کچھ ہدایتیں دے کر اسی وقت اپنی کار میں سرکاری مردہ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کا شبہ صحیح نکلا۔ جب وہاں پہنچنے پر اس نے ایک لاش کی بگڑی ہوئی شکل کو بھی پہچان لیا۔ جیب سے داؤد کے فوٹو کی کاپی نکال کر وہ اس سے ملانے لگا۔ مرنے والوں میں سے ایک یقیناً داؤد تھا۔

کارونر کے انچارج ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ اندازاً یہ موتیں دو اور تین بجے رات کے درمیان واقع ہوئی ہوں گی۔ یہ ممکن ہے کہ انھیں بے ہوش کر کے پٹری پر ڈال دیا گیا ہو۔

خان نے احتیاطاً اس لاش کے بھی فنگر پرنٹس لے لیے۔ دوسری لاش کسی نامعلوم آدمی کی تھی اور اس پر اس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ کارونر سے وہ سیدھا رکارڈ آفس

جا پہنچا، جہاں فنگر پرنٹس کے رجسٹر میں اس وقت کے پرنٹس ملا ے سے ثابت ہوگیا کہ لاش داؤد کی ہی تھی۔

گھر لوٹتے ہی اس نے سب سے پہلے ڈپٹی کمشنر کوفون کیا۔ وہ اس وقت اپنے بنگلے پر ہی موجود تھا۔

''یس، مسٹر خان۔'' وہ بولے۔

''براہِ کرم رات جوگیشوری ریلوے لائن پر ہونے والے حادثے سے متعلق اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کی پولیس کی طرف سے تردید کرا دیجیے۔''

''کیوں؟ کوئی خاص وجہ؟''

''جی ہاں، بعد میں تفصیلاً عرض کردوں گا۔ بہر حال سردست اسے صرف اتفاقیہ حادثہ بتایا جائے تو بہتر ہے۔''

''خیر میں ہدایت جاری کردیتا ہوں۔'' ڈپٹی کمشنر نے وعدہ کرتے ہوئے رسیور رکھ دیا۔

دیوار گیر کلاک میں نو بج رہے تھے۔ خان کو ابی دوسری تیاری بھی کرنی تھی۔ اس نے کاغذ پر پنسل سے بالے کے نام کچھ ہدایتیں لکھ کر غلام رسول کو دے دیں اور خود میک اپ روم میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

سارجنٹ بالے دوپہر کو ۱۲ بجے لوٹا۔ سپرنٹنڈنٹ خان کہیں جا چکا تھا۔ اس کا بھوک سے برا حال تھا۔ آتے ہی اس نے غلام رسول کی خبر لے ڈالی۔ لیکن جب دس منٹ کے اندر اندر کھانا میز پر لگا دیا گیا تو وہ ٹھنڈا ہوگیا۔ کھانا کھانے کے بعد ابھی وہ ستانے کے لیے صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ غلام رسول نے خان کا دیا ہوا کاغذ اسے لاکر

دے دیا۔اس نے اسے غور سے پڑھنے کے بعد جیب سے ماچس نکال کر اسے پلیٹ میں رکھ کر جلا دیا اور فون اٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر کا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے انسپکٹر بارٹلے کی آواز سنائی دی۔

''کیوں، بالے؟''

''مجھے فوری طور پر ایک جیپ گاڑی کی ضرورت ہے، کیا مل سکے گی؟''

''ہاں ہاں، خود آرہے ہو یا خان صاحب کے بنگلے پر پہنچوا دوں۔''

''اگر پہنچوا دیں تو مہربانی ہوگی۔''

''اچھا بھیج رہا ہوں۔'' بارٹلے نے کہا۔

پندرہ منٹ بعد ہی جیپ کار آ پہنچی۔ بالے ڈرائیور کو سائڈ کی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

داور اور ماہم سے گزرتی ہوئی اس کی گاڑی گھوڑ بندر روڈ پر ۴۰ فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی رہی۔بغل میں ڈرائیور گپ چپ بیٹھا تھا۔اس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ پوچھ سکے۔اور بالے اپنی دھن میں کھویا گاڑی دوڑا رہا تھا۔

ایک بج کر دس منٹ پر وہ جوگیشوری پہنچ گیا۔اس نے جیپ گاڑی ریلوے لائن کے ایک طرف ڈھلوان کے نیچے روک لی۔

''تم یہیں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ لائن پر پہنچ گیا اور سگنل کیبن سے آگے کھمبے گنتا ہوا ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔اس کی نظریں داہنے ہاتھ کی لائن پر دور دور تک دوڑ رہی تھیں۔ وہ چونک کر لائن کے آس پاس کی پتھریلی گٹیوں اور کلیمپس کا غور سے معائنہ کرنے کے بعد اس نے جیب سے نوٹ بک نکال کر کچھ لکھا اور دوسری طرف سے لوکل ٹرین کو آتا دیکھ کر لائن سے دور ہٹ آیا۔

گاڑی گزر جانے کے بعد اس نے دور تک کی لائن دیکھ ڈالی اور پھر نوٹ بک

جیب میں ڈال کر ڈھلوان سے نیچے اتر آیا۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر سر سکھے اونگھ رہا تھا، اس کے قدموں کے چاپ سنتے ہیں وہ چونک کر اسٹیئرنگ سے ہٹ گیا اور بالے نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مرغی چور

کس کو ملنا ہے بھائی تم کو؟'' نیو انڈیا اسٹیل کمپنی کے دور تک پھیلے ہوئے کارخانے کے داخلی پھاٹک پر ہی ایک پٹھان دربان نے جان وان ڈیوٹ کو روک دیا۔

''گریٹ انسلٹ۔'' وہ ہاتھ جھٹک کر بولا۔

''اام کا ادھر کوئی نہیں ہے۔'' پٹھان نے معصومیت سے جواب دیا۔

''ہم کو اس کمپنی کا مینجر سے ملنے کا ہے۔'' ڈیوٹ نے جواب دیا۔

''ابھی ادھر کام وام نہیں ہے، بھئی۔ بہت آدمی نوکر ہے۔تم اور کدھر تلاش کرو۔'' پٹھان نے اس کی پھر ان سنی کر دی۔

جس کے جواب میں وان ڈیوٹ نے ایک سفید چھوٹا سا کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔ پٹھان نے اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

''تو ایسا بولو نہ کہ تم کو بڑا صاحب کو ملنے کا ہے۔جاؤ جاؤ، اندر جاؤ۔'' وہ فوراً راستہ چھوڑ کر ہٹ گیا۔اور دروازہ بھی اس نے خود کھول دیا۔وان ڈیوٹ مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

''تم آ گئے؟'' البرٹو نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''یس باس۔'' خان اس کی خوب صورت ساخت کی بڑی میز کے قریب پہنچ گیا۔البرٹو کا آفس بہت شان دار تھا۔کوئی بھی اجنبی اس میں داخل ہوتے وقت دفتر کی خوب صورتی اور باقاعدگی کے ساتھ ساتھ البرٹو کی شخصیت سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔مگر ڈیوٹ پھر ڈیوٹ تھا، اس کے لیے جیسے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔

''بیٹھو۔'' البرٹو نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گیا۔

Akram Allahabadi

''تمہیں آج سے میری مرضی کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ابھی صرف تمہیں ۵۰۰ روپے ماہوار ملا کریں گے۔تمہارا کام دیکھ کر میں اور بڑھا دوں گا۔'' اس نے وان ڈیوٹ سے کہا۔

''چلیے جیسی آپ کی مرضی۔مگر کام کیا کرنا ہوگا؟''

''تمہیں مرغی میرے لیے چرا کر لانا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

''مرغی چرا کر؟ آپ مذاق فرما رہے ہیں شاید۔'' وان ڈیوٹ نے کہا۔

''میں حکم دے رہا ہوں۔''

''لیکن مرغیاں تو بازار میں بیس ہزار ملتی ہیں۔''

''مجھے صرف چرائی ہوئی مرغیاں کھانے میں مزا آتا ہے۔میری بچپن کی عادت ہے۔''

''عجیب بات ہے۔''

''میں جو حکم دیتا ہوں اس کی تعمیل چاہتا ہوں۔'' البرٹو کا لہجہ سخت ہوگیا اور وان ڈیوٹ نے محسوس کیا کہ وہ کسی معاملے میں انکار کا لفظ سننے کا عادی نہیں ہے۔وہ کافی سخت اور ڈکٹیٹر قسم کا آدمی ہے۔

''اے کے باس۔'' ڈیوٹ نے گردن ہلا دی۔''مگر لانا کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''فیکٹری کے پیچھے وہ ٹیلے پر میرا بنگلا ہے وہیں لے کر آنا ہے۔''

''کتنی چراؤں؟''

''کم سے کم دو مرغی روز۔''

''عجیب کام دیا گیا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر بڑبڑاتا ہوا نکل گیا اور البرٹو اسی طرح خاموش اور سنجیدہ بیٹھا رہا۔

Akram Allahabadi

وان ڈیوٹ کے جانے کے بعد البرٹو نے بجلی کی گھنٹی کا سوئچ دبا دیا اور ایک طاقتور گندمی رنگ کا پہلوان نما آدمی جس نے فورمین کا لباس پہن رکھا تھا خاکی پارچہ گلے میں لٹکائے آ پہنچا۔

''اس پر نظر رکھو، ابھی مجھے پورا بھروسہ نہیں ہے۔'' البرٹو نے اس تنومند آدمی کو حکم دیا۔

''یس باس۔'' یہ کہہ کر وہ سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

نیو انڈیا اسٹیل کمپنی پہلے برٹش انڈیا اسٹیل کمپنی کے نام سے ایک جرمن گروپ کی ملکیت تھی، لیکن اب اس میں ایک امریکن اور ایک ہندوستانی ساجھے دار اور شامل ہو گئے تھے۔

یہ کمپنی اسٹیل کا سامان اور جدید سائنٹیفک مشین بنانے میں ہندوستان بھر میں مشہور تھی۔ البرٹو اس کا منیجر تھا۔ کمپنی امریکہ جاپان اور جرمنی سے اسٹیل کی مشینوں کی درآمد برآمد بھی کرتی تھی۔ اس کی فیکٹری گھاٹ کوپر کے نزدیک واقع تھی۔

مرغی چرانے کے عجیب وغریب کام نے وان ڈیوٹ کو چکر میں ڈال دیا تھا۔ اس کے نزدیک یا تو اس کے ساتھ کوئی خطرناک مذاق کیا جا رہا تھا یا تابعداری کی آزمائش۔ اسے یقین تھا کہ اس کی آزمائش میں اس کے افعال پر نگہداشت رکھی جائے گی۔ اس کا نام بھی اتنا عجیب تھا کہ اسے سننے والا ہر ہندوستانی بے اختیار ہنس پڑتا۔

وہ فیکٹری سے باہر نکل کر سڑک پر ٹہلتا ہوا چل دیا۔ کافی آگے سڑک پر سے ہٹ کر کچھ ڈیری فارم والوں کی بھینسوں کے طویلے تھے۔ اور اس کے بعد ایک خشک نالے سے ملے ہوئے ایک ٹیلے پر چار چھ اکہرے مکانات بنے ہوئے تھے جن کے آس

آاس کچھ مرغیاں چگتی پھر رہی تھیں ۔وہ دیر تک کھڑا رہا۔پھر اسے اپنے آپ پر اور البرٹو کے حکم پر ہنسی آ گئی۔

وہ اسی سڑک سے کرلا جانے والی ایک بس پر بیٹھ گیا۔اس نے دیکھا اگلے اسٹاپ پر ایک آدمی اور بھی اسی بس پر سوار ہوا جو کنکھیوں سے اسے گھور رہا تھا۔کرلا میں اتر کر اس نے ایک دکان سے کچھ بوٹیاں خریدیں اور ایک دکان سے کچھ تاگا لیا اور پھر یہ سامان اپنی جیب میں رکھ کر وہ ایک ہوٹل میں گھس گیا۔وہ یہ محسوس کر چکا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔لیکن ہوٹل میں گھستے شاید تعاقب کرنے والا اسے نہ دیکھ سکا، کیوں کہ وہ متلاشی نظروں سے دوسری طرف دیکھتا ہوا قریب سے گزر گیا۔موقع غنیمت سمجھتے ہوئے وہ ہوٹل کے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔سڑک کی دوسری سمت پوسٹ آفس تھا۔وہ تیز تیز قدم چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اس طرح بغیر اجازت ایک اجنبی کو اندر آتے دیکھ کر پوسٹ ماسٹر کے چہرے پر کچھ ناخوشگوار اثرات نمودار ہوئے۔لیکن جب وان ڈیوٹ نے بڑی انکساری سے اس سے درخواست کی کہ اسے صرف ایک ضروری فون کرنا ہے تو اس نے میز پر رکھا ہوا ٹیلی فون اس کی طرف کھسکا دیا۔ڈائل گھمانے کے بعد وہ رسیور کان سے لگا کر ماؤتھ پیس میں بولنے لگا۔

''ہاں ہاں، میں ہوں، ابھی کچھ نہیں۔نیو انڈیا اسٹیل کمپنی... باس میجر ہے... مرغی چرانے کا ...شٹ اپ۔'' یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا۔

پوسٹ ماسٹر اس کے عجیب وغریب الفاظ سن کر اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی خبطی ہو۔

مگر وان ڈیوٹ اس کی میز پر دوائی رکھ کر شکریہ ادا کرتا ہوا چل دیا۔بازار سے گزرتے ہوئے اسے تعاقب کرنے والا پھر مل گیا۔اس کی طرف سے قطعی لاپرواہی

بڑھتے ہوئے بازار سے ایک تھیلا خرید کر وہ پھر رتن کی طرف جانے والی بس پر سوار ہوگیا۔اس نے دیکھا وہ ان جانا آدمی بھی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

بس جب پرانے کرلا کو عبور کر کے گھاٹ کوپر کے راستے میں ایک بس اسٹاپ رکی تو وہ اتر گیا۔اور دوسرا آدمی شاید بس میں ہی آگے چلا گیا۔ہاں سے پیدل چلتا ہوا وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں خشک نالے کے کنارے ادھ کچے اکھڑے مکانات بنے تھے۔

مرغیاں اب بھی مکانوں کے آس پاس دوڑتی پھر رہی تھیں۔ایک درخت کی آڑ میں ہو کر اس نے موٹی ڈور میں ایک بوٹی باندھ کر کھلی جگہ پھینک دی۔ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک مرغی اس پر جھپٹ پڑی اور بوٹی کو نگل گئی۔اس نے ڈور پکڑ کر گھسیٹنی شروع کی۔بوٹی مرغی کے حلق میں اٹک گئی تھی۔

وہ پھڑپھڑاتی رہی اور وان ڈیوٹ نے دوڑ کر اسے ڈور سمیت اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔اس کے پیر بھی اس نے باندھ دیے تھے۔اس طرح اس نے دوسری مرغی کو بھی شکار کر لیا۔لیکن دوسری مرغی تھیلے میں جا کر بوٹی ڈور سمیت نگل گئی اور اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ایک مکان سے کچھ لوگ نکل پڑے اور وان ڈیوٹ کو مجبور ہو کر بھاگنا ہی پڑا۔وہ لوگ بھی شاید مرغیوں سے بہت محبت کرتے تھے،اس لیے مرغی چور چیخ چیخ کر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔سڑک پر پہنچتے ہی دوسری طرف سے ایک کار اس کے نزدیک رک گئی۔

''بیٹھ جاؤ اندر۔'' کار چلانے والے نے اسے آواز دی۔وہ اس کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور کار روانہ ہوگئی۔

کار سے اتر کر وہ تھیلا لیے ہوئے سیدھا البرٹو کے بنگلے میں گھس گیا،کار بنگلے کے پورٹیکو میں ہی جا کر رکی تھی۔

''یہ لیجیے آپ کی مرغیاں چرا کر لایا ہوں۔'' وان ڈیوٹ نے تھیلا اس کے

سامنے پٹک دیا۔لیکن البرٹو کے لبوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی، وہ بدستور سنجیدہ تھا۔

''ٹھیک ہے۔''اس نے مختصر سا جواب دیا۔''کل مجھے ایک ذبح کیا ہوا کتا چاہیے۔''اس نے دوسرا حکم بھی سنا دیا۔

''ذبح کیا ہوا کتا؟ آخر یہ کیا...''وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''میں اپنے حکم کی تعمیل چاہتا ہوں۔''البرٹو نے سخت سے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

''اوکے، باس۔''وان ڈیوٹ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

بس آج کا کام اسی قدر ہے، تم جا سکتے ہو۔اور ہاں یہاں کے علاوہ کہیں ملتے ہوئے تمہیں یہ نہ جاننا چاہیے کہ میں تمہارا باس ہوں، تاوقتیکہ تمہیں اشارہ نہ کیا جائے۔'' اس نے مزید ہدایت کی۔

''ایسا ہی ہوگا۔''وان ڈیوٹ نے کہا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے سخت الجھن میں تھا۔شام ہونے کو آ گئی تھی اور ابھی تک سپرنٹنڈنٹ خان کا کہیں پتا نہ تھا۔وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز بھی کئی بار فون کر چکا تھا، لیکن وہاں بھی کسی کو خان کا پتا نہ تھا۔

بالے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔کافی پریشان ہونے کے بعد وہ تھک کر صوفے پر بیٹھ رہا اور اس نے فون سامنے رکھ لیا۔

رات ہوتی چلی گئی اور بالے کا دماغ سوچ سوچ کر بیکار ہوتا رہا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔اگر باہر جاتا ہے تو ممکن ہے کہ ادھر خان کا فون آ جائے اور نہ جانے کونسی فوری ہدایت ہو۔نہیں جاتا تو طبیعت پریشان۔

Akram Allahabadi

خدا خدا کر کے ۹ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ۔اس نے جلدی سے رسیور اٹھا لیا۔ ادھر سے نہ جانے کون بول رہا تھا۔وہ عجیب سا منہ بنا کر اس کے الفاظ سننے لگا، کوئی کہہ رہا تھا۔''ڈارلنگ ڈولی، میں یہاں میجسٹک میں تمہارا کب سے انتظار کر رہو ہوں ۔کیا ممی نہیں آنے دیتی۔ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری ممی ۔بالی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ۔مجھے جب فرصت ملے گی میں خود آجاؤں گا۔کیوں اس بے چاری کو تکلیف دیتی ہو۔بالی کو مت بھیجنا۔اچھا، بائی بائی ۔''

''بائی بائی، بڑے بھائی ۔''بالے نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا اور کچھ سوچتا ہوا کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔پھر اس نے غلام رسول کو آواز دی۔

''جی، چھوٹے صاحب۔''غلام رسول نے اندر آکر پوچھا۔

''دیکھو، شاید صاحب آج رات گھر نہ آئیں اور میں بھی جا رہا ہوں ۔گرے مائڈ کو باہر رکھنا۔''

''موتی کو؟''

''مجھے کتوں کے لیے موتی ہیرے جیسے نام پسند نہیں، جو کہہ رہا ہوں وہ سنو۔ سونا بھی تو اس قدر ہوشیار ہونا کہ اگر واپسی ہو تو دروازہ کھول سکو۔''

''اچھا، چھوٹے صاحب۔''غلام رسول نے سادگی سے جواب دیا۔

''بالے نے چہرے پر صرف گھنی مونچھیں لگا لیں اور داہنے رخسار پر میک اپ پوٹین سے زخم کا ایک نشان بنا کر وہ ایک گرم سوٹ پہنے ہوئے باہر نکل گیا۔پولیس ک جیپ کار اس کے چارج میں تھی اور اس لیے آج اسے رات بھر گھومتے رہنے میں کوئی عذر نہ تھا۔اس کا رخ اس وقت ہیڈ کوارٹرز کی طرف ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆

کار اڑ گئی

دوسرے دن وان ڈیوٹ ایک ذبح کیا ہوا کتا لے کر البرٹو کے بنگلے پر پہنچا تو اسے برآمدے میں بیٹھ کر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا پڑا۔ البرٹو کے نوکر اپنے کاموں میں مصروف تھے، اس لیے وہ تنہا برآمدے میں بیٹھا وقت کاٹ رہا تھا۔ پھر وہ چاروں طرف نظر گھما کر سناٹا دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور دبے قدموں چلتا ہوا اس بند کمرے کی کھڑکی تک آ گیا، جس کے اندر سے کچھ آدمیوں کے گفتگو کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''کوئی نیا حکم نہیں ملا ہے۔'' کسی کی پہچانی ہوئی آواز اسے سنائی دی۔ شاید یہ اس فورمین کی آواز تھی جسے اس نے نیو انڈیا اسٹیل کمپنی میں البرٹو کے دفتر میں آتے دیکھا تھا۔

''پرسوں وہ اپنا دوسرا تجربہ کرے گا۔ کوئی اس کی عجیب وغریب طاقت کو نہیں جانتا۔ لیکن ایک دن ساری دنیا جان جائے گی۔'' یہ آواز البرٹو کی تھی۔

''لیکن ہمیں تمنا ہے کہ ہم اسے ایک نظر دیکھ سکیں۔''

''جان سے ہاتھ دھونا ہو تو ایسا سوچو۔ کوئی ایسی جرأت کرنا گویا موت کو دعوت دینا ہے۔''

''آپ نے تو اسے دیکھا ہی ہوگا؟''

''شاید ڈاکٹر حیدر کے سوا کسی نے بھی اسے کبھی نہیں دیکھا۔'' البرٹو کی آواز سنائی دی۔

''ڈاکٹر حیدر؟ تو کیا وہ...؟''

Akram Allahabadi

''چپ رہو، تمہیں صرف اپنی ذمہ داریوں تک ہی معلومات رکھنی چاہیے۔''
البرٹو کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''مجھے افسوس ہے، لیکن میں نے کسی خیال سے نہیں پوچھا تھا۔'' دوسری سہمی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''خیر تمہیں انتظام کرنا ہے، جاؤ اس کی فکر کرو۔'' البرٹو نے اس آدمی کو ہدایت کی۔

''یس، باس۔'' وہ یہ کہہ کر شاید اٹھ بیٹھا، کیوں کہ اندر دروازے کی طرف آتے ہوئے کسی کے قدموں کی چاپ وان ڈیوٹ کو سنائی دی اور وہ فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

کچھ دیر بعد البرٹو بھی باہر آ گیا۔

''میری چیز لائے؟'' اس نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔

''وہ باہر موجود ہے۔'' وان ڈیوٹ نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

البرٹو نے جھانک کر باہر دیکھا۔ وان ڈیوٹ بیچارہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ ''شاباش، تم آزمائش میں پورے اترے۔ اب آج میں تمہیں ایک بہت اہم کام سونپوں گا۔ تم کار چلانا جانتے ہو؟'' البرٹو نے دریافت کیا۔

''کار کا باپ بھی ہو تو چلا دوں۔'' وان ڈیوٹ نے سینہ تان کر جواب دیا۔

''خیر تم رات ساڑھے آٹھ بجے میرے پاس آؤ۔'' وہ اسے مختصر سا حکم دیتا ہوا اندر چلا گیا اور وان ڈیوٹ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا۔

سہ پہر سے شام اور شام سے رات ہونے میں ابھی کافی وقت باقی تھا، اس لیے وہ ٹہلتا ٹہلتا ہوا کارخانے کی طرف آ نکلا۔ دربان اس دن کے بعد سے اسے اچھی طرح پہچان گیا تھا، اس نے صورت دیکھتے ہی راستہ چھوڑ دیا اور وان ڈیوٹ لاپرواہی

کے انداز میں اندر داخل ہو گیا۔

ایک شان دار بے نیازی کے ساتھ اندر فیکٹری کے کمپاؤنڈ میں ایک بنچ پر جا بیٹھا۔ وہ لاابالی شخص تھا، اس لیے اسے جیسے کسی چیز کی فکر یا پرواہ ہی نہیں تھی۔ لیکن اس کی نظریں یہاں کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ کافی محتاط نظر آ رہا تھا۔

بہر حال کسی طرح شام ہو گئی اور پھر البرٹو کے بنگلے پر جا پہنچا۔ یہاں پہلے سے ایک چھوٹی لینڈ وباڈی کار کھڑی ہوئی تھی۔ البرٹو اس کی آمد کی خبر پا کر باہر نکل آیا اور اسے اپنے ساتھ اندر کمرے میں لے گیا۔ وہاں اسے میز پر سے ایک پیک کیا ہوا چیر کی لکڑی کا بکس اسے دیتے ہوئے کہا۔

''اسے حفاظت کے ساتھ اس پتے پر پہنچانا ہے۔ دیکھو اس بکس کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے سے الگ نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ کے پرزے پر کسی کا ایک پتا لکھ کر اسے دے دیا۔ وان ڈیوٹ احتیاط سے اس بکس کو بغل میں دبا کر باہر نکل آیا۔

''یہ کار تمہارے کام کے لیے ہی دی جا رہی ہے۔ اسے اب تم ہی استعمال کیا کرو گے۔'' البرٹو نے اسے دوسری ہدایت کرتے ہوئے جیب سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر اور دے دیے۔

''او کے، باس۔'' یہ کہہ کر وان ڈیوٹ کار میں جا بیٹھا۔ وہ بکس اس نے اپنے پاس والی سیٹ پر ہی رکھ لیا اور دو انگلیوں سے البرٹو کو سلام کر کے گاڑی لے کر روانہ ہو گیا۔

جب اس کی گاڑی نیم پختہ راستے سے پختہ سڑک کی طرف گھوم گئی تو البرٹو کے ایک بھیانک قہقہے سے بنگلا کا برآمدہ گونج اٹھا۔

☆☆☆☆☆☆

وان ڈیوٹ تیز رفتار سے اپنی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔گھاٹ کو پر سے گزر کر اب اس کی کار تھانہ کی طرف جا رہی تھی ۔اسے پتا دیا گیا تھا وہ پونہ کا تھا اور جلد از جلد پہنچنے کی اس ہدایت بھی کی گئی تھی ۔بار بار وہ گھوم کر گاڑی کی پچھلی کھڑکی کی طرف بھی دیکھ لیتا۔ اسے ڈر تھا کہ ضرور کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہوگا۔

اور اس کا شبہ صحیح نکلا، جب اس نے کافی دور پیچھے سڑک پر دوڑتی ہوئی کسی موٹر سائیکل کی آواز سنی ۔اس نے احتیاطاً گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی اور ایک ہاتھ س اسٹیئرنگ تھام کر دوسرے ہاتھ سے اس بکس کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن شاید تعاقب کرنے والا بھی برق رفتاری سے آ رہا تھا،اس لیے اسے پھر اسٹیئرنگ کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔اس نے رفتار اور بڑھا دی اور پھر ایک بار یک ہاتھ س بکس کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا،جس کی وجہ سے توجہ ہٹ گئی اور گاڑی کی رفتار پھر گھٹ گئی۔

موٹر سائیکل پر آنے والا سر پر ہیٹ لگائے اودے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا،اس کا ایک اس کے کوٹ کی جیب میں دکھائی دے رہا تھا۔سڑک یہاں بالکل سونی پڑی تھی ۔کبھی کبھی لونا ولا وغیرہ کی طرف سے آتی ہوئی ایک آدھ کار قریب سے گزر جاتی اور پھر سناٹا چھا جاتا ۔لیکن چند ہی منٹ بعد پھر پیچھے سے کسی اور موٹر سائیکل کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

وہ آدمی پہلے آدمی سے بھی تیز رفتار سے آ رہا تھا۔معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی ضروری کام سے جلدی جانے والا کوئی اجنبی ہے۔تعاقب کرتی ہوئی موٹر سائیکل والے نے گاڑی کی آواز سن کر جب گھوم کر دیکھا تو وہ آنے والا شاید اس کی طرف متوجہ ہی تھا۔

کچھ ہی دیر میں اس کی موٹر سائیکل پیچھے والی موٹر سائیکل کے نزدیک سے

گزرن لگی اور اس نے اچانک اس زور کا گھونسا تعاقب کرنے والے کے جبڑے پر مارا کے ''آآآ...'' کی آواز کے ساتھ وہ موٹر سائیکل سے اچھل کر لڑھکتا ہوا دور جا گرا اور شاید بے ہوش ہوگیا۔اس کی گاڑی دوڑتے دوڑتے ایک دم الٹ گئی۔

وان ڈیوٹ کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔وہ بار بار سامنے بھی دیکھتا اور پیچھے بھی۔دوسرا موٹر سائیکل سوار بھی اپنی گاڑی روکے بغیر اس کی کار کا پیچھا کرنے لگا اور قبل اس کے وان ڈیوٹ کی کار اور تیز رفتار پکڑے اس نے اس کے پچھلے ٹائروں پر فائر کردیا۔فائر مس ہوگیا اور گاڑی دوڑتی رہی۔اس کی موٹر سائیکل اور تیز رفتار پر آگئی اور ذرا سی دیر میں اس نے وان ڈیوٹ کی کار کو ملا لیا۔

''گاڑی روک لو۔''اس نے وان ڈیوٹ کو حکم دیا۔

''نہیں روکتا۔''

''میں کہتا ہوں گاڑی روک لیجیے۔'' دوسرے لمحے اس کا لہجہ نرم اور مہذب ہوگیا۔وہ بشرے سے بھی کوئی شریف آدمی ہی معلوم ہوتا تھا۔یہ جملے ادا کرتے ہوئے اس نے جلدی سے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا، وہ ایک دم چونک پڑا۔

''جلدی سے پھاٹک کھول کر کود پڑیے،فوراً۔ورنہ گاڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔''اس نے تقریباً چیخ کر کہا۔

جس پر وان ڈیوٹ کچھ سوچے بغیر چلتی گاڑی کا پھاٹک کھول کر کود پڑا اور سڑک پر لڑھکتا ہوا کنارے آگرا۔گاڑی ابھی آپ سے آپ رفتار کی جھونک میں کوئی سو ڈیڑھ سو فٹ ہی آگے گئی تھی کہ اچانک ایک زور دار دھماکا ہوا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔وان ڈیوٹ اور اس سائیکل سوار نے موٹر سائیکل پھینک کر خود کو سڑک کے ایک طرف کے نالے میں گرالیا۔

☆☆☆☆☆☆

دوسرے دن اخبروں میں صوبے کے مایہ ناز سراغ رساں افسر سپرنٹنڈنٹ خان کی ایک پراسرار دھماکے سے واقع ہو جانے والی موت کی افواہوں نے تمام شہر میں تہلکہ مچا دیا۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہون لگیں۔ ہر شخص اس کی حقیقت جاننے کے لیے بے چین نظر آنے لگا۔

پولیس کی طرف سے ان افواہوں کی تردید کے ساتھ صرف اس قدر تصدیق کی گئی تھی کہ تھانہ اورلوا ولا کے درمیان میں روڈ پر ایک جگہ ایک جلی ہوئی لاش اور ایک شکستہ موٹر کار دستیاب ہوئی ہے۔ لاش پہچانی نہیں جا چکی، لیکن کار محکمہ موسمیات کے افسر اعلیٰ میجر ابراہیم کی تھی، جو کل سہ پہر کو ان کے بنگلے کے سامنے سے غائب کی گئی تھی۔ اور وہ اس کی گم شدگی کی رپورٹ پولیس میں کرا چکے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ خان کے بارے میں تردید کرتے ہوئے پولیس نے اطلاع دی تھی کہ وہ ایک ضروری کام سے چند دنوں کے لیے بمبئی سے باہر گئے ہیں۔

بہر حال اخبارات میں شائع ہونے والی یہ عام افواہیں اور پولیس کی تردید ک باوجود خان کی غیر موجودگی کا اقبال، لوگوں کو شش وپنج میں ڈالے ہوئے تھے اور زیادہ احتمال ی تھا کہ ضرور مسٹر خان کو کچھ ہو گیا ہے۔

''ہائے لوگوں میں لٹ گیا، ہے ہے میں یتیم ہو گیا، بھئی۔ میں تم سے باس لے لوں گا، پولیس والو! بے چارہ کتنا غریب اور سیدھا سادہ افسر تھا۔''

''افسوس ہمیں بھی ہے، بالے۔ مگر تم نے یہ کیسے مان لیا کہ خدا نہ کرے وہ...''

انچارج نے اسے سمجھانا چاہا۔

''خدا نہ کرے؟ اگر خدا نہ کرے والا معاملہ ہوتا تو وہ مجے چٹھی لکھتے۔'' بالے نے آواز کو اور غم ناک بنا کر کہا۔

''یہ تو ایسا مرا جا رہا ہے جیسے کوئی کنواری لڑکی بیوہ ہو گئی۔'' دوسری طرف سے سارجنٹ جامی کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑی میز کے قریب کھڑا تنویر سے گفتگو کر رہا تھا۔

''ابے او نامعقول، تجھے مذاق سوجھا ہے۔ اس ٹریجڈی کے بقول کسی کے، بجھے بے ہودگیاں سوجھی ہیں، ہم بے زار بیٹھے ہیں۔''

''بس بس، اپنی شاعری رہنے دو، میر درد۔ کہیں کلیجہ نہ پھٹ جائے آسمان کا۔'' تنویر بیچ میں بول پڑا۔

''شاید تم سمجھ رہے ہو کہ ہم دو ہیں۔ بیٹا، اکیلا کافی ہوں۔'' بالے نے لڑائی کا موڈ بناتے ہوئے کہا۔

''یہ پولیس آفس ہے، ولبھ بھائی پٹیل اسٹیڈیم نہیں ہے، عقل مند۔'' پیچھے سے انسپکٹر فیض کی آواز آئی۔ اس پر سب چونک پڑے اور ان کے مکالمے ہونٹوں میں ہی دبے رہ گئے۔

''کیسے ہو، بالے؟'' فیض نے بالے کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بالے نے جواب دینے کے بجائے گنگنانے لگا۔ ''اے میرے دل کہیں اور چل، ان پولیس والوں سے دل بھر گیا، ڈھونڈ لے کوئی افسر نیا۔''

''بے چارہ، خان صاحب کی جدائی کے غم سے پاگل ہو گیا ہے۔'' کوتوالی انچارج نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔

''میں جانتا ہوں تم لوگ کیوں ہنس رہے ہو۔ تم لوگ سب ان سے جلتے تھے۔ ارے بے درد دو، تم کیا جانو کہ ہزاروں سال نرگس اپنی کم بختی پر روتی ہے، بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں راج کپور پیدا۔'' بالے پھر اپنی حرکتوں پر آ گیا۔

''اسے شاعری کا موڈ آیا ہوا ہے۔ ارے ہاں، ڈی آئی جی صاحب اوپر

ہیں؟''اس نے انسپکٹر انچارج سے پوچھا۔

جواب میں انچارج نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلادی اور فیض تیز قدم اٹھاتا ہوا اوپر چلا گیا۔

جامی اپنی جگہ سے کھسک کر بالے کے قریب آ گیا۔''بالے بھائی، سچ سچ بتا دو اپنا باس کہاں ہے؟''جامی نے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔

''چل ہٹ۔''بالے نے اسے جھڑکا۔''رشوت دیتا ہے مجھے۔''

''اے بھئی شریف آدمی، کیوں ایک پاگل سے اپنا مغز پھوڑ رہا ہے، ادھر آ کر خیریت سے بیٹھ۔''تنویر نے جامی کو آواز دی۔

''جا بھائی، وہ اخبار والا تیرے بغیر غمِ تنہائی محسوس کر رہا ہے۔''بالے نے جامی کو تنویر کی طرف ڈھکیل دیا اور جامی مسکراتا ہوا چلا گیا۔

انسپکٹر فیض تھوڑی ہی دیر میں نیچے واپس لوٹ گیا۔ابھی اہ ایک منٹ یہاں ٹھہرا ہی تھا کہ حوالدار نے آ کر اس کے فون کی خبر دی۔وہ ٹیلی فون پر پہنچ گیا اور رسیور کان سے لگالیا۔

''ہیلو...،نہیں...انسپکٹر فیض...اوہ تو فرمایئے...بالے کو...اچھا...اور میں؟ ...جی ہاں، ڈی آئی جی صاحب نے مجھے ہدایتیں دے دی ہیں۔بہت خوب کل رات ساڑھے بارہ بجے...میں بالے سے کہے دیتا ہوں...جی بہت خوب۔''یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور سیدھا بالے کے پاس آیا۔اس نے بالے کے کان میں نہ جانے کیا کہ کہ بالے چونک پڑا۔

''تو سمجھ گئے نا؟''فیض نے پوچھا۔

''بالکل، میں اب اس کے سائے کو بچ کر نہ گزرنے دوں گا۔''بالے بولا۔

''ہم کل رات کو ساڑھے بارہ بجے آگرہ روڈ پر چند نامعلوم پراسرار طاقتوں

سے دو دو ہاتھ کریں گے۔'' فیض نے بتایا۔

''اللہ آپ لوگوں کو جنت نصیب کرے، میرا مطلب ہے کہ مرنے کے بعد، یعنی کہ دس بیس پچاس سال جی کر مرنے کے بعد۔'' بالے نے خود ہی اپنی دعا کی تفصیل سمجھادی۔ ''اگر خدانخواستہ کسی کو شہادت نصیب ہوتو اسے لازم ہے کہ پہنچ کر چھٹی لکھے۔''

''ضرور، ضرور۔'' فیض اس کی پیٹھ تھپک کر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''میجر صاحب گھر میں ہیں؟'' میجر ابراہیم کے بنگلے کے پورٹیکو میں رکنے والی کار سے باہر جھانک کر فیض نے دربان سے پوچھا۔

''ہاں ہیں۔'' دربان نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

''تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔'' وہ کار سے نیچے اتر آیا۔

''تمہیں یہ بھی احساس نہیں کہ شریف آدمی سے گفتگو کس طرح کی جاتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے دربان کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا۔ دربان مار کھاتے ہی چونک پڑا، لیکن وہ اس سے کچھ اس قدر مرعوب ہوگیا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔

فیض مکان کے برآمدے میں داخل ہوگیا۔ لیکن اسے اپنے سامنے ایک سراپا قیامت دیکھ کر رک جانا پڑا۔

وہ ہلکے سرخ غرارے میں ملبوس پیازی جمپر پہنے اور سیفون کا آسمانی دوپٹہ اپنے کندھوں پر ڈالے ایک حسین مورت معلوم ہورہی تھی۔

اس کنول کی طرح کھلی ہوئی خوب صورت آنکھیں، بیضاوی گوراچہرہ، ستواں ناک اور سیاہ ریشم کی طرح ملائم بالوں کے ساتھ اس کا اکہرا بدن بھی بہت خوب صورت

Akram Allahabadi

معلوم ہوتا تھا۔وہ فیض کو عجیب سی حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کافی بہادر معلوم ہوتے ہیں۔''اس نے فیض پر طنز کیا۔

''بدتمیز نوکروں کے لیے ایسا ہی انعام بہتر ہوتا ہے۔''فیض نے اجنبیت کے احساس کیے ہوئے بغیر سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

''شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ بعض لوگوں کا لب ولہجہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ اسے دوسرے بدتمیزی سمجھیں، وہ جاہل آدمی ہے۔''وہ بولی۔

''میں آپ کے گھر کا ایک فرد تو نہیں ہوں جو آپ کے نوکروں کی عادات و خصائل کا علم رکھوں۔''فیض کے لہجے میں نرمی آ گئی۔

''خیر فرمایئے، کیوں تکلیف فرمائی ہے آپ نے؟''لڑکی نے پوچھا۔

''میں میجر ابراہیم صاحب سے ملنے آیا ہوں۔''

''لیکن وہ اس وقت بہت مصروف ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ یہ جواب ناکافی ہوگا۔''

''اوہ،تو آپ ضدی بھی واقع ہوئے ہیں۔''وہ جھنجلا کر بولی۔

''مجھے زیادہ گفتگو کرنے کی عادت نہیں، آپ انھیں یہ کارڈ پہنچا دیجیے۔''انسپکٹر فیض نے اپنا کارڈ اس کے حوالے کر دیا۔اسے پڑھتے ہی وہ چونک پڑی۔اس کے چہرے کی کیفیت تبدیل ہو گئی،اور غصے کے تاثرات کی جگہ فکرمندی نے لے لی۔

''معاف کیجیے گا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ...''اس نے اظہارِ شرمندگی کے طور پر کہنا چاہا۔

''مجھے کوئی شکایت نہیں۔پولیس والوں کی زندگی میں ایسے واقعات اکثر پیش آیا کرتے ہیں۔آپ براہِ کرم انھیں خبر دیجیے۔''فیض نے مسکرا کر بات مختصر کر دی۔اور جھینپی جھینپی سی اندر چلی گئی۔بمشکل دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک خوش پوش ادھیڑ

عمر کا تن درست آدمی، جس کی مونچھیں موٹی اور سنہری مائل تھیں، باہر نکل آیا۔

''آپ...آپ ہیں مسٹر فیض؟''اس نے فیض کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، اور آپ میجر ابراہیم۔'' فیض نے ہاتھ ملایا اور دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر، بلکہ دراصل جب سے میں نے اخباروں میں آپ کے 'آدم خوروں' کو جہنم واصل کرنے والے سفرِ افریقہ کے کارنامے پڑھے تھے مجھے خود آپ سے ملنے کی خواہش تھی۔'' خوش اخلاقی سے لبوں پر مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے میجر ابراہیم نے کہا۔

''سب آپ لوگوں کا حسنِ ظن ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔'' فیض نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دربان کے ساتھ مجھے کچھ غلط رویہ اختیار کرنا پڑا تھا۔''وہ میجر سے معذرت طلب کرتے ہوئے طبولا۔

''مجھے معلوم ہے۔ پروین خود بی شرمندہ ہے اور غالباً اسی وجہ سے وہ اس وقت سامنے نہیں آرہی ہے۔مگر مصیبت یہ ہے کہ اس کام کے لیے یہی جانگلوس پہاڑی یا پٹھان ہی ملتے ہیں۔''میجر ابراہکم نے اپنے دربان کو ہی الزام دیتے ہوئے بولا۔

''پروین؟''فیض نے معنی خیز انداز میں دہرایا۔

''میری بیٹی ہے، پورا نام عقیلہ پروین ہے لیکن صرف پروین ہی کہی جاتی ہے۔آپ کا کارڈ اسی نے مجھے لے جا کر دیا تھا۔

اوہ۔''فیض ایک بھولے اجنبی کی طرح ہنس پڑا۔

''خیر فرمایے، کیا خاطر کروں آپ کی؟''میجر ابراہم کا لہجہ سنجیدہ ہوگیا۔اور

فیض ایک لمحے اس کے چہرے کو غور سے دیکھ کر سوچنے لگا کہ میجر کو ذرا سی دیر میں چہرے کے تاثرات اور موڈ بدلنے میں ملکہ حاصل ہے۔

''درحقیقت میں آپ کی اس کار کے بارے میں...'' فیض نے کہنا چاہا۔

''کار...وہ کار نہ ہوئی مصیبت ہوگئی۔نقصان بھی میرا ہوا اور پولیس نے میرا ہی ناک میں دم کر رکھا ہے۔'' میجر ابراہیم پر جھنجلاہٹ سوار ہوگئی۔

''ہم اس طرح نہ پوچھتے، لیکن ہمارے ایک چیف کی موت کی ایک غیر مصدقہ واردات اس کار سے منسوب کی جارہی ہے، اسی لیے ہمیں گہری تفتیش کرنی پڑ رہی ہے۔'' فیض نے اس طرح یہ جملہ ادا کیا کہ میجر ابراہیم سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ کی مراد سپرنٹنڈنٹ خان سے ہے کیا؟'' وہ بول اٹھا۔

فیض اس جملے پر چونک پڑا۔اسے شبہ سا ہوگیا کہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تنومند شخصیت یا تو میجر ابراہیم نہیں ہے یا ہے تو ضرور وہ کوئی پراسرار شخصیت رکھتا ہے۔ میجر ابراہین بھی شاید اس کی کیفیتوں سے بے خبر نہ تھا۔

''آپ سوچ رہے ہوں گے کہ مجھے آپ کے کسی چیف کی موت سے متعلق سپرنٹنڈنٹ خان کا نام کیسے معلوم ہوا۔واقعی پولیس والے بڑے شکی ہوتے ہیں۔'' میجر مسکرایا۔

''جی، جی نہیں تو۔'' فیض نے چہرے پر گھبراہٹ کے خفیف سے آثار کے ساتھ کہا۔

''یہ افواہیں تو آپ کے اخباروں نے اڑا رکھی ہیں۔ویسے مجھے تو یقین نہیں آتا کہ خان صاحب جیسا ہوشیار اور تجربہ کار افسر کسی کے دھوکے میں آجائے گا۔'' یہ کہہ کر میجر، فیض کو معنی خیز نظروں سے گھورنے لگا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔خان صاحب تو باہر گئے ہوئے ہیں، ایک سرکاری

کام ہے ۔بہر حال میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا میں جو کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا آپ اس کا جواب دینا پسند کریں گے ۔" فیض نے کہا ۔

"ضرور پوچھیے ، جہاں تک میرے امکان میں ہوگا میں جواب دوں گا ۔" وہ بولا ۔

"آپ کی گاڑی کل تین بجے سہ پہر کو غائب ہوئی تھی نا ؟" فیض نے پوچھا ۔

"جی ہاں ۔"

"اور کیا یہ سچ نہیں کہ وہ آپ کے علم میں غائب کی گئی ہے؟"

"آپ کا مطلب ؟" میجر چونک سا پڑا ۔

"مطلب یہ کہ آپ کی گاڑی کو وہی لوگ یہاں سے لے گئے تھے جو آپ کے مکان سے اس سے کچھ دیر پہلے نکلے تھے ۔" فیض نے کہا ۔

"میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا ۔کل دو آدمی مجھ سے یہاں ملنے ضرور آئے تھے ۔" اس جملے پر میجر کی آواز صاف نہ تھی ۔

"کون تھے وہ؟"

"یہ نہیں معلوم ۔مگر وہ نوکری کی تلاش میں تھے ۔ مجھ سے ایروڈروم کے گراونڈ انجینئر کے نام سفارشی خط حاصل کرنا چاہتے تھے ۔"

"اور آپ نے ان کا نام بھی نہ پوچھا ؟"

"میں ان کے نام بھول رہا ہوں ۔" میجر ابراہیم نے برجستہ کہا ۔

"آپنے پولیس رپورٹ میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ؟" فیض نے سوال کیا ۔

"اس وقت مجھے ان آدمیوں کا قطعی خیال نہیں تھا اور اب بھی میں انھیں قابلِ ذکر نہیں سمجھتا ، کیوں کہ وہ معمولی حیثیت کے سیدھے سادے آدمی معلوم ہوتے تھے ۔" میجر نے جواب دیا ۔

Akram Allahabadi

لیکن انسپکٹر فیض غور سے دیکھ رہا تھا کہ میجر کے چہرے پر اب وہ پہلے جیسی پرسکون کیفیت نہیں ہے۔کبھی کبھی بات کرتے کرتے وہ ایک آدھ اچٹتی نظر کمرے کے دروازوں پر اور کھڑکیوں کی طرف بھی ڈال لیتا۔

''کیا آپ ان کا حلیہ بیان کر سکتے ہیں؟''فیض نے دریافت کیا۔

''حلیہ۔''وہ کچھ گھبرا سا گیا، جیسے حلق کا تھوک نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ساتھ ہی پھر اس کی نظر ایک بار سامنے والے دروازے کی طرف جا پہنچی۔

''صاحب، چائے۔''گھر کا بوڑھا ملازم ٹرے لیے اندر آ پہنچا۔

فیض نے دیکھا میجر کا چہرہ اب مرجھایا سا جا رہا تھا۔اس نے نوکر کی بات کا جواب تک نہ دیا۔اور وہ ٹرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

''آپ اگر کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ بھی اس پولیس افسر کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔''فیض کا لہجہ کسی قدر سخت ہوا کہ اچانک پستول کے فیئر کی ایک آواز گونجی اور ساتھ ہی میجر چیخ مار کر صوفے سے ڈھلک گیا۔

فیض نے اکدم اپنا صوفہ اس طرح الٹا لیا کہ صوفہ اس کے اوپر آ گرا اور دوسری گولی سنسناتی ہوئی صوفے سے چلتی ہوئی دیوار پر پڑی۔

اسی کے ساتھ ہی باہر کہیں پستول چلنے کی آواز سنائی دی اور کسی کے دوڑتے ہوئے قدم کمرے کے دروازے کے پاس آ کر رکے۔دوسرے کمرے سے کسی کے ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دی۔وہ شاید پروین تھی جو آواز سن کر بھاگتی آ رہی تھی۔باپ کی یہ کیفیت دیکھتے ہی وہ چیخ مار کر میجر سے لپٹ گئی۔

فیض جلدی سے وہ الٹ کر باہر نکلا۔''آپ انھیں سنبھالیے، میں اس کی خبر لیتا ہوں۔وہ بچ کر نہ جا سکے گا۔''یہ کہہ کر فیض نے کھڑکی سے ہی برآمدے میں جست لگائی اور زینے کی طرف دوڑا، لیکن برآمدے میں اسے بالے مل گیا۔

Akram Allahabadi

''کیا بات ہے؟ ی فیئر اوپر سے ہی ہوئے تھے نا؟'' اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔اس کے پیچھے سی آئی ڈی کے دو آدمی اور تھے۔

''یہاں میجر ابراہیم کو کسی نے گولی ماردی ہے،حملہ مجھ پر بھی ہوا تھا لیکن میں بچ گیا۔'' فیض بولا۔

''میں نے گولی چلنے کی آواز سنتے ہی اوپر برآمدے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے فیئر کر دیا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''تو یہ تیسرا فیئر تمہارا تھا،تب وہ ضرور نکل گیا کسی طرح۔'' فیض نے شبے کا اظہار کیا۔

''لیکن نیچے تو میں موجود تھا اوپر سے بھی کوئی سایہ بھی نیچے نہیں اترا ہے۔'' بالے نے بتایا۔

اتنے میں میجر کے کچھ نوکر بھی اپنے فق چہرے لیے آپہنچے۔

''بنگلے کا کونا کونا چھان مارو، چڑیا کا بچہ بھی باہر نہ نکل پائے۔'' فیض نے سب کو مخاطب کیا۔''کسی نے میجر کو گولی ماردی ہے۔اور تم بالے میجر کی خبر لو،میرا خیال ہے کہ گولی اس کے سینے پر نہیں پڑی ہے۔''

یہ کہتا ہوا فیض تیزی سے نیچے اتر گیا۔سی آئی ڈی کا ایک سفید پوش مسلح آدمی بنگلے کے احاطے میں پہنچ گیا۔دوسرا نوکروں کے ساتھ بنگلے کی تلاشی لینے لگا۔

''بالے نے میجر کے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا۔میجر صوفے سے لڑھکا ہوا خون میں لت پت پڑا تھا۔اور پروین اس کے سینے پر سر رکھے سسک سسک کر رو رہی تھی۔بالے جھک کر اس کے زخم کو دیکھنے لگا۔پھر اس نے میجر کی نبض ٹٹولی۔

''دیکھیے ذرا ہمت سے کام لیجیے،میجر صاحب میں ابھی جان باقی ہے۔میں انھیں ہسپتال لے جاتا ہوں، یہاں کہیں ٹیلی فون ہے؟'' بالے نے پروین کو تسلی دیتے

ہوئے پوچھا۔اس نے کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی رائیٹنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کر دیا، جس پر فون رکھا تھا۔بالے نے اسی وقت فون پر ایمبولینس طلب کی اور پھر میجر کے قریب آ بیٹھا۔

''آپ گھبرایے نہیں، گولی ایسی جگہ لگی ہے کہ ان کے بچ جانے کی امید ہے۔''بالے نے پھر اسے دلاسہ دیا۔جس پر وہ بھیگی ہوئی پلکیں اٹھا کر اس کا منہ تکنے لگی، جیسے وہ اسے محض تسلی ہی سمجھ رہی ہو۔

''آپ مجھ پر یقین کیجیے۔''بالے نے اسے یقین دلایا۔

''مگر آپ؟''اس نے بالے کو جاننے کی کوشش کی۔

''سارجنٹ بالے آف کرائم ڈیٹیکشن برانچ۔''بالے نے خود ہی اپنا تعارت کرا دیا۔

''اوہ۔''وہ چونک سی پڑی۔سپرنٹنڈنٹ خان کے مشہور کارناموں کے ساتھ لوگ بالے کے نام سے بھی اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔اور ایسے بھی وہ کافی اثر گیر شخصیت رکھتا تھا۔

فیض دس منٹ میں ہی لوٹ آیا۔اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے مایوسی ہوئی ہے۔''میں نے بنگلے کے چاروں طرف دیکھ ڈالا ہے، آس پاس کے لوگوں بھی پوچھا، مگر کوئی نہیں جانتا کہ کون آیا، کون گیا۔نہ جانے کم بخت کدھر غائب ہو گیا ہے۔''فیض نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ اس بنگلے سے باہر نہیں گیا ہے۔ہم لوگ نیچے کافی مستعد تھے۔''بالے نے کہا۔

''تو پھر زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔بڑے شرم کی بات ہے ہم لوگوں کے لیے کہ ہمارے ہوتے ہوئے قاتل اس دیدہ دلیری سے میجر کو مار کر نکل گیا۔''فیض سر

تھام کر سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

اسی وقت ایمبولینس بھی آ پہنچی اور سی آئی ڈی کے ایک آدمی کے ساتھ میجر ابراہیم کو ایمبولینس سے اسی وقت سرکاری ہسپتال روانہ کر دیا گیا۔

فیض ایک بار اس کمرے اور اس کی کھڑکیوں اور برآمدے کا جائزہ لینے لگا۔ گولی لگنے کے اندازے کے مطابق فیئر مغربی کھڑکی کی طرف سے ہوا تھا، جو برآمدے میں کھلتی تھی۔ فیض غور سے اس کھڑکی کو باہر کی طرف سے دیکھنے لگا۔ کھڑکی کے اوپر ایک ہوادار روشن دان بھی تھا۔ اس نے جب اس میں سے اندر جھانکا تو میجر والا صوفہ سامنے دکھائی دیتا تھا۔ وہ اس کے آس پاس نہ جانے کیا چیز تلاش کر رہا تھا۔ کمرے میں بالے ٹہل رہا تھا اور پروین شاید اپنے کمرے میں پہنچ کر باپ کی اس حالت پر آنسو بہا رہی ہوگی۔

''بالے۔'' فیض نے پکارا۔ ''یہاں کے تمام نوکروں کو ایک جگہ جمع کر لو۔'' اس نے کہا۔

''کیا کوئی عوامی تقریر کرنے کا ارادہ ہے یا قراداد پیش کیجیے گا؟'' بالے نے نزدیک آ کر کہا۔

''تم تو... چغد ہو پورے۔ ارے بھئی جو کہہ رہا ہوں اتنا کر لو۔'' فیض نے نرم اور بے تکلف لہجے میں اسے ہدایت کی۔

''بہت اچھا، ابھی گھیرتا ہوں کم بختوں کو۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

دو منٹ میں ہی تمام نوکر کمرے میں جمع ہو گئے۔ بالے کے فون پر مزید پولیس بھی آ گئی تھی۔ نوکر بے چارے سب ہی خوف زدہ تھے۔ خاص کر وہ بوڑھا، جس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور جو چائے کی ٹرے لایا تھا۔

فیض نے انھیں ایک سرے سے گھورنا شروع کیا، جس پر وہ لوگ تعجب سے

Akram Allahabadi

اس کا منہ تکنے لگے۔

''مجھے معلوم ہے کہ میجر صاحب پر گولی کس نے چلائی ہے۔''فیض نے ان کی طرف مخاطب ہوکر بھاری آواز سے کہا۔اس کے اس جملے پر ان میں سے بعض محض پولیس کی سختیوں کا تصور کر کے ہی کانپنے لگے۔فیض ان میں سے ایک ایک کو قریب سے دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ایک جگہ اچانک اس کے قدم رک گئے اور پھر اس کا بھرپور گھونسا اس بوڑھے نوکر کی ناک پر پڑا، جو پہلے کمرے میں چائے لایا تھا۔لیکن گرتے ہی اس نے کروٹ لی اور چمک کر کھڑکی کی طرف دوڑا۔سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس وقت اس کی کمر سیدھی ہوگئی تھی اور وہ کسی نوجوان آدمی کی طرح چست نظر آرہا تھا۔

فیض نے پستول کی سیٹی دبا دی، نال سے شعلہ نکلا، لیکن گولی بجائے اس آدمی کے کھڑکی کے شیشے پر پڑی اور شیشہ ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑا۔دوسرے لمحے اس بوڑھے آدمی نے اپنے چہرے کی جھلی نکال پھینکی اور قہقہہ مار کر ایک خوف ناک مکروہ ہنسی ہنسا ساتھ ہی اس کا پستول بھی شعلے اگلنے لگا۔

اگر پولیس کے لوگ جلدی سے پوزیشن نہ لے لیتے تو شاید وہیں ختم ہوجاتے۔وہ اتنی دیر میں کھڑکی کے باہر کود چکا تھا۔مگر بالے کی ایک گولی اس کی پیٹھ توڑ کر اندر بیٹھ گئی اور وہ برآمدے میں ہی ڈھیر ہوگیا۔وہ سب دوڑ کر اس کے قریب آپہنچے۔

اس وقت پروین بھی موجود تھی۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ بوڑھے نوکر کی جگہ ایک صاف رنگت کا نوجوان آدمی اس کے سامنے دم توڑ رہا تھا اور قبل اس کے کہ فیض اس سے کوئی سوال کرے وہ ہمیشہ کے لیے امن وسکون کی طہری نیند سوگیا۔

''کیا عجیب ٹریجڈی ہوئی ہے عین موقع پر۔''فیض جھنجلا کر بڑبڑایا۔

عقیلہ پروین بالے کے قریب کھڑی تھی وہ اب تک سسک رہی تھی۔

''کم بختوں نے سراغ کی ملتی ملاتی کڑیا بھی ختم کر دیں۔''فیض بڑبڑایا۔

''مگر جائیں گے کہاں، سالے۔''بالے نے دانت پیس کر جواب دیا۔

''خیر ہونے والی بات ہوگئی، اب ہمیں ان کا سراغ نکالنا ہے کہ وہ کون ہیں، کیا ہیں اور کہاں ہیں؟''فیض نے کہا۔

''یقناً آدمی ہی ہوں گے۔''بالے نے بات چھیڑ دی۔

''بے غیرتی نہ کرو، یہ ہنسنے کا وقت نہیں۔'' فیض بولا۔اسی وقت سٹی ہسپتال سے فون آگیا۔خود سول سرجن بول رہا تھا۔اس نے بتایا کہ میجر ابراہیم کی حالت اب خطرے سے باہر ہے، انھیں ہوش میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

میجر پاگل ہوگیا

پروین ان کی اجازت سے اپنے باپ کو دیکھنے ہسپتال چلی گئی اور فیض اور بالے اس نامعلوم شخص کی لاش کو ہیڈ کوارٹرز کی طرف بھیج کر خود بھی کار میں روانہ ہوگئے۔

''ہم نے حماقت میں اس خطرناک گروہ کا سراغ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ کھودیا۔'' فیض نے کہا۔

''آپ کا اشارہ غالباً اس آدمی کی ہلاکت کی طرف ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''مگر آپ کو کیسے معلوم ہوگیا کہ میجر ابرایم پر اسی نے گولی چلائی تھی۔''

''اوپر روشن دان میں پیچھے کی طرف شاید گولی مار کر جلدی میں اترتے ہوئے اس کے کوٹ کا ایک سفید بٹن ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔نوکروں کی پریڈ میں میں یہی دیکھ رہا تھا۔ چناں چہ اسی شخص کا ایک بٹن غائب اور باقی بٹن بالکل اسی طرح کے تھے۔'' فیض نے بتایا۔

''معلوم ہوتا ہے خاں صاحب کے جانشین آپ ہی ہوں گے۔'' بالے بولا۔

''تمہیں رشک ہوتا ہے کیا؟''

''رشک تو نہیں، اشک ہوتا ہے کہ ہم رہے بھنگی کے بھنگی۔''

''آج کل پس ماندہ اقوام کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔'' فیض نے مسکرا کر جواب دیا۔پھر اس نے پولیس ہیڈ کوارٹرز پر کار روک لی۔

''بالے تم سول ہسپتال چلے جاؤ، میجر ہوش میں آئے تو اس کا بیان لینے کی کوشش کرو اور مجھے بھی خبر کردینا۔'' فیض نے اسے ہدایت کی۔

''اور وہ آپ کا 'ٹپور' کہاں گیا کم بخت۔'' بالے نے جامی کو پوچھا۔

Akram Allahabadi

''وہ نیو انڈیا اسٹیل کمپنی کے کارخانے کی نگرانی کر رہا ہے۔'' فیض نے اسے بتایا۔

''اچھا کام دیا ہے آپ نے۔ ہے بھی چوکیداری کے لائق۔ مگر ہم نے البرٹو کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''اس کے خلاف کوئی جرم ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کسی قسم کے ثبوت نہیں ہیں، ویسے بھی وہ غیر ملکی باشندہ ہے، احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے اور پھر کار والا حادثہ بھی اس سے متعلق نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس نے سرے سے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ وہ کار بھی تو اس سے وابستہ نہ نکلی۔'' فیض نے بتایا۔

''لیکن میجر ابراہیم ضرور وابستہ نکلے۔''

''میجر شریف آدمی معلوم ہوتا ہے، شاید کسی سخت دباؤ یا دھمکی کے تحت اس سے کوئی کام لیا جا رہا تھا ورنہ اس پر حملہ نہ کیا جاتا۔'' فیض نے بالے کے شکوک کی تردید کی۔

''ممکن ہے وہ ہوش میں آنے پر کوئی کام کی بات بتا سکے۔ ویسے تنویر بھی ضرور وہاں پہنچ گیا ہوگا۔ وہ پراسرار معاملات کی بو سونگھتا پھرتا ہے کم بخت۔'' یہ کہتا ہوا فیض سیڑھیاں چڑھنے لگا اور بالے۔ ''اچھا میں جا رہا ہوں۔'' کہہ کر پولیس جیپ کار میں بیٹھ گیا۔

جس وقت وہ سول ہسپتال پہنچا، پروین آپریشن روم کے باہر ہی بینچ پر موجود تھی اور ایک پولیس کانسٹیبل باہر ٹہل رہا تھا۔ وہ بالے کو دیکھ کر اٹینشن ہو گیا۔

''آپریشن ہو رہا ہے۔'' کانسٹیبل نے بتایا۔

''ہم۔'' بالے یہ کہہ کر دروازے پر ہی ٹھہر گیا۔ بینچ کے سوا اور کوئی نشست

خالی نہ تھی۔

''میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''اس نے پروین سے پوچھا۔

''جی... جی ہاں،شوق سے۔''وہ چونک کر بولی۔اور بالے اس سے کچھ دور بینچ پر بیٹھ گیا۔

''ہمیں بہت افسوس ہے، مس پروین۔لیکن اگر میجر صاحب خود ایسے خطرناک لوگوں سے تعلق نہ رکھتے ہوتے تو یہ نوبت ہرگز نہ آئی۔''وہ پروین کی طرف مخاطب ہوا۔

''تعلق خطرناک لوگوں سے؟''پروین نے حیرت ومعصومیت سے دہرایا۔

''دراصل اب میں آپ کو کیا بتاؤں کہ...''بالے نے بتانا چاہا۔

''رہنے دو، میں بتائے دیتا ہوں۔''پیچھے سے تنویر کی آواز آئی۔اور وہ کیمرہ بغل میں لٹکائے ہوئے سامنے آ گیا۔

''ارے آج یہ کیا سوجھی،فوٹوگرافر بھی بن گئے تم؟''بالے اس کی طرف دیکھ کر چونک کر بولا۔پروین بھی اسے دیکھنے لگی۔اس وقت مونگیا رنگ کے گرم سوٹ میں وہ ایک سرخ سفید گڈا معلوم ہو رہا تھا۔

''حجامت کے بعد اپنے خاندان والوں نے یہی پیشہ اختیار کیا تھا،فرمایئے کوئی اعتراض ہے آپ کو؟''وہ بڑی معصومیت کے ساتھ بولا۔جس پر بالے ہنس پڑا اور اس غم ناک کیفیت میں بھی پروین کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ مسٹر تنویر ہیں، نیشنل اسٹینڈرڈ اور راجستھان آبزرور کے نمائندے، میرے خاص دوست ہیں۔''بالے نے سنجیدگی سے پروین سے تنویر کا تعارف کرایا۔

''قطعی جھوٹ، پولیس والوں کو میں کبھی اپنا دوست نہیں سمجھتا۔''تنویر نے بھی اسی بینچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''خیر بیٹے، یوں ہی سمجھ لو، ہم ہی بے غیرت سہی۔'' بالے مسکرایا۔

''اب سچ کہا ہے تم نے۔'' تنویر یہ کہہ کر پروین کی طرف مخاطب ہوگیا۔

''مس پروین، کل سہ پہر کو تین بجے کے قریب میجر صاحب سے دو آدمی ملنے آئے تھے؟'' تنویر نے سوال کیا۔

''تین بجے؟ جی ہاں شاید دو آدمی آئے تھے۔''

''کیسے تھے وہ؟''

''نوجوان سے تھے، اچھے سوٹ پہنے ہوئے تھے۔''

''ان کی آمد کے وقت آپ کہاں تھیں؟''

''میں ڈیڈی سے اپنے کالج کے ڈرامے کا چندہ مانگنے گئی تھی۔ جس وقت وہ لوگ آئے تو ڈیڈی نے مجھ سے کہا کہ ان کے دو دوست ملنے آئے ہیں، میں دوسرے کمرے میں چلی جاؤں۔''

''مگر آپ پردہ تو نہیں کرتیں؟''

''جی نہیں، لیکن نہ جانے کیوں ڈیڈی مجھے پہلے بھی ایک آدھ بار ان لوگوں کے آنے پر ایسی ہدایت کر چکے تھے۔''

''شاید وہ انھیں اچھا نہ سمجھتے ہوں گے؟'' تنویر نے کہا۔

''میں نے آج تک تو اس بارے میں نہیں سوچا تھا، ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔'' معصومیت سے بولی۔

''یہ سب سوالات میری رپورٹ کے ہیں۔'' بالے پیچھے سے تنویر کو ٹوک بیٹھا۔

''ابھی تک منہ سڑ گیا تھا کیا، چلے دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر نشانہ مارنے۔'' تنویر نے پلٹ کر جلا بھنا سا جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''ابے او جرنلسٹ، کسی دن مجھے آپ سے فری اسٹائل نہ لڑنا پڑے۔'' بالے نے مسکرا کر جواب دیا۔

''سمجھ لوں گا جب نوبت آئے گی۔''

''آپ لوگ لڑتے بھی ہیں؟'' پروین نے سادگی سے دریافت کیا۔

''پولیس میں جس قدر بھی سارجنٹ قسم کے جانور موجود ہیں، مجھے ان سب سے پیدائشی نفرت ہے۔'' تنویر نے یہ کہہ کر بالے کی طرف دیکھتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

''اور میں ہر ایسے جرنلسٹ کو کسی عجائب خانے کے الو سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔'' بالے نے اپنا جواب بھی سنا دیا۔

''خیر اسے بکنے دیجیے، ہاں تو کچھ ان کا حلیہ، کوئی خاص چیز یاد ہے آپ کو؟'' تنویر نے دریافت کیا۔

''ایک آدمی کے ہاتھ پر میری نظر پڑ گئی تھی۔ اس کے پنجے میں چھ انگلیاں تھیں۔ صورتیں میں نے غور سے نہیں دیکھی، رنگ البتہ دونوں کا گندمی تھا۔'' پروین نے بتایا۔

''خیر، باقی سوالات میں آپ سے پھر کسی وقت پوچھ لوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور بالے کو مسکراتی نظر سے دیکھتا ہوا سامنے والے ۴ نمبر وارڈ میں گھس گیا۔

''بڑا ابکی ہے۔'' بالے نے اس کے جانے کے بعد پروین سے کہا۔ ''اس کے بیوی بچے بھی اس کی اس عادت سے نالاں ہیں۔ ان سے بھی بات بات پر سوال جواب کیا کرتا ہے۔ بیوی تو بے چاری میرے پاس آئی تھی کہ طلاق دلا دوں، مگر میں نے سمجھا بجھا کر لوٹا دیا۔'' بالے نے اپنی دانست میں تنویر کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن اخبار والوں کو کیا سوالات پوچھنے کا حق ہے؟'' پروین نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''سوالات؟ ارے صاحب یہ لوگ بڑے سے بڑے وزیر کا بھی ناطقہ بند کر دیتے ہیں۔ پنڈت نہرو تک اخبار والوں کے سوالات سے گھبرا جاتے ہیں ان کم بختوں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ حکومت کے بعد دوسری سب سے بڑی طاقت اخبار کی ہی ہوتی ہے۔'' بالے نے اسے سمجھایا۔

''اوہ، تب تو انھوں نے ٹھیک ہی سوالات کیے۔'' پروین شرمندہ سی ہو کر بولی۔

''ٹھیک ہی کیے۔'' بالے نے روندے ہوئے گلے سے کہا۔ ''تو یعنی کہ اس کے اس بے تکے پن سے اور خوش ہوئیں۔''

''انھوں نے کوئی بداخلاقی تو نہیں کی۔''

''انھوں نے؟ یہ انھوں نے کیا بلا ہے۔ اس نے کہیے، اس نے۔ آپ اس نامعقول کا احترام کر رہی ہیں۔'' بالے کا لہجہ جلا ہوا تھا۔

''صاحب۔'' سامنے سے کانسٹیبل نے آ کر سلیوٹ مارا۔

''کیا بات ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''آپ کا فون۔''

''میرا فون، یہاں؟ بالے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کاریڈور عبور کرنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ کا آفس تھا جہاں ٹیلی فون موجود تھا۔

''ہیلو، کون ہیں آپ؟'' اس نے رسیور اٹھا کر کہا۔

''تمہارا قبلہ و کعبہ۔ مجھے آج رات کو آگرہ روڈ پر سات نمبر کی پہاڑی پر ملو۔'' ادھر سے جواب آیا۔

''بہت خوب، بزرگوار۔ لیکن کیا آپ کی حجامت فرمانے کا سامان بھی ساتھ

لیتا آؤں۔

''ابھی اس کی ضرورت نہیں، میں نے صبح ہی شیونگ کر لی تھی۔'' یہ کہہ کر بولنے والے نے ریسیور رکھ دیا اور آفس سپرنٹنڈنٹ اس جملے پر کچھ عجیب سی نظروں سے اس کا منہ تکتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

آپریشن کامیاب رہا۔ گولی نکال لی گئی اور ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق زخم خطرناک بھی نہ تھا۔

وارڈ میں پہنچ جانے کے بعد جس وقت میجر کو ہوش آیا تو بالے سرہانے ہی موجود تھا۔ تنویر بھی اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے بالے کو میجر کا بیان لینے کی اجازت دے دی۔ پروین اس کی پلنگ کے دوسری طرف سرہانے بیٹھی تھی۔

''میں پولیس سارجنٹ ہوں، آپ کا بیان لینا چاہتا ہوں اور یقیناً آپ ایسی حالت میں کوئی غلط بیان دینے کی کوشش نہ کریں گے۔'' بالے نے پیڈ اور پین ہاتھ لیے نرم آواز میں کہا۔

''مگر...مگر...وہ...'' یہ کہہ کر متوحش نظروں سے میجر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''یہاں کوئی خطرہ یا خوف نہیں، آپ ہسپتال میں ہیں، گھبرایئے نہیں۔'' بالے نے سمجھایا۔

''قطرہ...کیسا قطرہ، تم یونانی دواخانے کے منشی ہو۔'' وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بالے کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''میں تم پر سواری گانٹھوں گا۔ تم اچھی نسل کے ٹٹو نظر آرہے ہو۔'' وہ پھر بولا۔ لیکن اس کا لہجہ اور بشرے کے تاثرات اس قدر سادہ اور فطری تھے کہ بالے، تنویر اور خود پروین حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ میجر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی

ویرانی نمایاں تھی، جیسے وہ اپنے ہوش میں نہ ہو۔

''ڈیڈی۔'' پروین نے روتے ہوئے اسے جھنجوڑا۔

''کیسے دیدی، کیا دیدی، ہشت اولڑکی۔چل ہٹ ادھر سے، میں چمکا ڈریں پکڑوں گا۔'' یہ کہتے کہتے وہ تنویر کی طرف مخاطب ہوگیا۔''آپ کون جانور ہیں۔'' وہ بے ساختہ بولا۔اس پر بالے کو ماحول پر چھائی ہوئی حیرت کے باوجود ہنسی آگئی۔

''جی، آپ کے طویلے میں ہی تو بندھا تھا۔'' تنویر نے قریب ہوکر ہاں میں ہاں ملائی۔

''تم فخر نژاد نہیں معلوم ہوتے، میں تمہیں شاباشی دیتا ہوں۔تم اب سے میری کمبی کمانڈر کی بٹالین ہوگے۔میں تمہیں اونٹ کھلایا کروں گا۔تم برے اچھے ہو۔'' وہ اسے پیار سے چمکارنے لگا۔وہ سب محسوس کر رہے تھے کی واقعی میجر کی یہ کیفیت خود ساختہ نہیں ہے۔

''ڈاکٹر۔'' تنویر نے گھوم کر ڈاکٹر المیڈا کی طرف دیکھا۔وہ خاموش کھڑا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ بے ہوشی میں ان کی دماغی کیفیت پر سخت زور پڑا ہے، یا ممکن ہے خون کافی نکلجانے کی وجہ سے قوت یا دداشت زائل ہوگئی ہو۔''

''لیکن آپ نے انھیں اور بھی تو خون دیا ہے نا؟'' بالے نے اندازاً پوچھا۔

''جی، جی ہاں، انھیں بلڈ بینک کا خون دیا گیا ہے۔''

''کیا میں اس کے پروسس دیکھ سکتا ہوں؟'' بالے برجستہ سوال کر بیٹھا۔

''کیا؟ پروسس؟ او ہاں، آپ ضرور دیکھیے، آیے، ضرور دیکھیے۔'' ڈاکٹر آگے آگے ہولیا۔

''مریض کو اب آرام کرنے دیجیے، ممکن ہے بعد میں آپ سے آپ ان کا

دماغ اعتدال پر آجائے۔'' دروازے کے نزدیک پہنچ کر اس نے پلٹتے ہوئے کہا۔ پروین میجر کے سرہانے آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی تھی، ڈاکٹر کی ہدایت پر وہ اٹھ کر دور ہٹ آئی۔

بالے ڈاکٹر کے ساتھ چلا گیا۔ کمرے میں اس وقت صرف تنویر اور پروین تھے، یا میجر، جو آپ سے آپ بڑبڑا کر اب آنکھیں بند کر کے لیٹ رہا تھا۔

''مجھے کچھ اور شک ہو رہا ہے۔'' تنویر پروین کے نزدیک آ کر کہا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ خدانخواستہ اگر ڈیڈی کو کچھ ہو گیا تو میں... میرا تو کوئی بھی نہیں اس دنیا میں۔'' وہ کہتے کہتے اداس ہو گئی۔ تنویر اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا، اس کی پلکیں بھیگ اٹھی تھیں۔

''اگر آپ ایک شریف آدمی پر بھروسہ کر سکتی ہیں تو یہ خیال چھوڑ دیجیے۔ خدا نے چاہا تو میجر صاحب جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ ویسے میرے ہوتے ہوئے میں آپ کو کبھی اس طرح محسوس نہ ہونے دوں گا۔ مجھے ان پریشانیوں میں کم از کم ایک سچے دوست کی طرح ہی اپنا شریک سمجھیے۔'' تنویر کا لہجہ بڑا خلوص اور ہمدردی کے جذبے سے مملوء تھا۔

''آپ؟ واقعی آپ...'' وہ کہتے کہتے رہ گئی۔

''میں نے ابھی تک آپ کی کوئی ایسی خدمت نہیں کی جس کے لیے آپ میری تعریف کر سکیں، لیکن آپ یقین رکھیے حالات کیسے ہی عجیب کیوں نہ ہوں، میں اپنی جان کی قیمت پر بھی آپ کی حفاظت کروں گا۔'' تنویر نے اسے پوری طرح یقین دلایا۔

''میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔'' وہ کسی قدر شرماتی ہوئی بولی۔

''اس کی ضرورت بھی تو نہیں، یہ تو میرا فرض ہے۔'' تنویر نے جواب دیا۔

''جی، شکریہ۔''

Akram Allahabadi

''پھر شکریہ؟'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ بالے پھر آ گیا۔

''تنویر، مجھے شک ہے کہ میجر کو بلڈ بینک سے آیا ہوا ضوزائد خون دیا گیا ہے وہ صحت بخش نہ تھا۔''

''کیا مطلب؟'' تنویر چونک پڑا۔ ''ارے بھئی، جب تک خون کے گرین اور کوالٹی میں یکسانیت نہ ہو، خون دیا ہی نہیں جا سکتا ورنہ مریض کے جسم کا سارا خون پھٹ جاتا ہے۔'' تنویر نے بتایا۔

پروین حیران سی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''کچھ بھی ہو، تم یہیں ٹھہرو اور میجر کی نگہداشت کرنے والوں پر نگرانی رکھو، میں بلڈ بینک سے ہو کر ابھی آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر بالے کمرے سے نکل گیا اور تنویر کچھ سوچتا ہی رہ گیا۔ ہروین کچھ نہ سمجھ کر چپ سی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

میجر ابراہیم کے پاگل ہو جانے سے سراغ ملنے کی پولیس کی رہی سہی امید بھی خاک میں مل گئی۔

ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر اسے پاگل قرار دے دیا، کیوں کہ کسی قدر صحت مند ہونے پر دوبارہ اس کا خون جب ٹیسٹ کیا گیا تو اس میں دماغی رگوں تک دوڑنے والے ستھرے خون میں بھی ہیجان پیدا کرنے والی دھاتوں کے اجزاء زیادہ پائے گئے۔ اگرچہ خون اسی قسم کا تھا جو میجر کے لیے درکار تھا۔

فیض کا دماغ اسی ایک فکر میں کھویا ہوا تھا کہ میجر خود پاگل ہوا ہے یا اسے پاگل کیا گیا ہے تاکہ وہ کچھ نہ بتا سکے اور اسے کچھ یاد نہ رہے۔ بالے سے اس نے پانچ سی سی ۲۴ کی مقدار کا ڈبہ لے لیا تھا جو وہ ہسپتال کے آپریشن روم سے چرا کر لایا تھا۔ میجر کو اسی

میں سے خون دیا گیا تھا۔

فیض خود ہی اس کی تحقیق کے لیے نکل پڑا۔مگر بلڈ بینک پہنچ کر تفتیش کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہاں سے یہی ڈبہ بھیجا گیا تھا اور اس پر سیل مہر لگی ہوئی تھی، البتہ جو خون اس میں پایا جارہا ہے، اس میں پیتل چونے اور میگنٹ کی مقدار زیادہ ہے۔ضرور اسے تبدیل کیا گیا ہے اور یہ کام کوئی تجربہ کار سائنس دان یا ماہر ڈاکٹر ہی کرسکتا ہے۔اس رپورٹ ن فیض کو اور الجھاوے میں ڈال دیا۔اس نے بلڈ بینک کے اس ملازم کو بلوالیا۔ جو ہسپتال سے فون آنے پر خون کا ڈبہ لے کر ہسپتال بھیجا گیا تھا، مگر معلوم ہوا کہ وہ جب سے گیا ہے واپس نہیں لوٹا۔

فیض کے ساتھ ساتھ بلڈ بینک کے منتظمین بھی اس عجیب سی گڑبڑ سے مخمصے میں پڑ گئے۔شام ہونے کو آ گئی مگر اس چپراسی کا کہیں پتا نہ چلا۔

شام کو پانچ بجے ڈلائل روڈ پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ بلڈ بینک کا ایک چپراسی، رام کشن، یہاں رپورٹ لکھانے آیا ہوا ہے۔فیض نے خود فون سنبھال لیا۔ ڈلائل روڈ پولیس اسٹیشن کے انچارج نے اسے بتایا کہ رام کشن کے بیان کے مطابق جب وہ خون لے کر سول ہسپتال جارہا تھا، باسولین کراس پر اسے نامعلوم آدمیوں نے روک لیا اور اس کا سامان چھین کر ایک اس جیسی سفید وردی والے دوسرے آدمی کو دے دیا اس کے بعد وہ لوگ رام کشن کو ایک کار میں بٹھا کر شہر سے باہر لے گئے اور گورے گاؤں سے آگے اسے ایک ویران مقام پر گاڑی سے اتار دیا۔اس کی جیب سے پیسے تک نکال کیے گئے تھے، اس لیے پیدل گورے گاؤں پہنچ کر اسے بغیر ٹکٹ ٹرین میں سفر کرنا پڑا۔ راستے میں جب ریلوے ٹی سی نے اسے پکڑا تو ایک پولیس کانسٹیبل کی ضمانت پر وہ اس پولیس اسٹیشن تک لایا گیا ہے۔

رپورٹ سننے کے بعد فیض نے ڈلائل روڈ پولیس اسٹیشن کو خبر دی کہ وہ خود آرہا

ہے اور بلڈ بینک کے سپرنٹنڈنٹ کو تمام واقعہ بتا کر وہ اپنی کار میں سیدھا ڈلائل روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رام کشن کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچنے پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو سفید وردی والا چپراسی بلڈ بینک سے مطلوبہ خون لایا تھا، وہ یہ نہیں تھا۔ رام کشن صرف اتنا بتا سکا کہ جس کار میں اسے لے جایا گیا اس کے شیشے تک چڑھے ہوئے تھے وہ گہرے نیلے رنگ کی چھوٹی لینڈ وباڈی کار تھی۔

لیکن اس تمام محنت سے صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ مجرم ضرور کسی ایسے انتہائی پراسرار منظم اور تعلیم یافتہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اتنی صفائی سے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا ڈالتے ہیں کہ پولیس چکر میں پڑ جاتی ہے۔ اتنا سب کچھ ہونے پر بھی پولیس اب تک کوئی سراغ حاصل نہ کر سکی تھی۔ البرٹو کی خفیہ نگرانی جاری تھی لیکن بے سود۔ وہ قانون کی دسترس سے بالکل باہر تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خون آشام صبح

دوسرے دن صبح انتہائی خون آشام ثابت ہوئی۔ شام کے اخبارات کی سرخیوں نے سارے صوبے میں تہلکہ مچادیا۔ اس رات پورے ایک درجن خون عجیب و غریب حالات میں ہوئے تھے۔

لونا ولا کے نزدیک ایک کار مع تین مسافروں کے جلی اور پگھلی ہوئی پائی گئی تھی۔ گھاٹ کو پر سے آگے آگرہ روڈ پر ایک نیم دیہاتی راہ گیر کی لاش اس قدر بگڑی ہوئی ہئیت میں پائی گئی تھی کہ اس کی طرف دیکھتے نہ بنتا تھا، وہ کسی ربڑ کے پتلے کی طرح پگھل کر پھیل گئی تھی۔ دمبرا کی پہاڑی کے نیچے ایک مال بردار ٹرک ڈھیر ہو کر سڑک پر پھیل گیا تھا اور اس کا ڈرائیور اور تین قلی بالکل اسی کیفیت میں مرے تھے جیسی کہ آگرہ روڈ والی پہلی لاش پائی گئی تھی۔ ایک کیڈلاک کار جس میں پونا سے ایک سرکاری افسر اپنی بیوی سمیت لوٹ رہا تھا، بھانڈوپ کے نزدیک ہی آگرہ روڈ پر شکستہ اور عجیب سی پگھلی پگھلی کیفیت میں ملی تھی۔ ان لاشوں کا بھی وہی عالم تھا جو دوسری لاشوں کا پایا گیا تھا۔

ایک درگاہ والی پہاڑی پر ایک گڈریا اور اس کا لڑکا اپنی پانچ بھیڑوں اور تین بکریوں سمیت اسی طرح خاکستر ہو کر پڑے پائے گئے تھے۔

سویرے ہی ان لاشوں کو ہٹانے کے بعد پولیس کی گاڑیاں مضافات کا کونا کونا چھان رہی تھیں، لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا، یہ کیسے ہو گیا۔

اخبارات نے ان محیر العقول وارداتوں پر تبصرے کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ سب کچھ الف لیلیٰ کے طلسمی واقعات کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون سی غیر معمولی طاقت ہے جو انسانی جانوں سے اس بے دردی سے کھیل رہی ہے۔

Akram Allahabadi

پبلک میں جگہ جگہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، طرح طرح کے لوگ تھے۔

ان طرح طرح کی باتیں، کوئی ان واقعات کو کسی آسمانی بلا سے تعبیر کر رہا تھا، کوئی کسی آسیبی حملے سے۔ ادھر سپرنٹنڈنٹ خان کی غیر موجودگی ایک علیحدہ اسرار بنی ہوئی تھی اور بعض لوگ یقین کر چکے تھے کہ وہ پچھلے کار والے حادثے میں موت کا شکار ہو چکا ہے۔ پولیس کی تمام توجہ مضافات کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

پولیس کمشنر اپنے دفتر میں بند تھا اور باہر ملاقاتیوں کے کمرے میں پریس والوں نے اندھیر مچا رکھا تھا۔ پریس کے تقریباً پچاس نمائندے صبح سے آ کر جمے تھے اور چھوٹے افسروں میں کوئی انھیں مطمئن کر کے نہ لوٹا سکا تھا۔ پولیس کمشنر مصروفیت کا بہانہ کر کے دوپہر کے ایک بجے تک اپنے کمرے میں بند رہا۔ مگر اب اس کا خود بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ پریس کو کیا جواب دے۔ اب سے پہلے کے قتل کی پراسرار وارداتوں کا سراغ ہی پولیس حاصل نہ کر سکی تھی یہ یہ دوسرا تہلکہ خیز دن دیکھنا پڑ گیا۔

اس کی میز پر دونوں طرف ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے۔ وہ بار بار پولیس ہیڈ کوارٹرز کو فون کرتا، لیکن ہر بار یہی معلوم ہوتا کہ تمام علاقے چھان مارنے کے باوجود اب تک کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔

اس الجھن میں وہ سر تھام کر بیٹھا ہوا تھا کہ داہنے ہاتھ کے فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔ اس نے رسیور اٹھا لیا اور آواز سنتے ہی چونک پڑا۔

''ہیلو... یس... ہاں میں ہی بول رہا ہوں۔ بھئی، میری تو جان آدھی ہو گئی ہے صبح سے۔ پریس والے باہر دفتر گھیرے بیٹھے ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا.... کیا ...تو میں البرٹو کو ایمرجنسی کی تحت کرائے دیتا ہوں۔''

''جی نہیں اس سے کچھ نہ ہوگا۔ آپ ان لاشوں کو پوسٹ مارٹم کی بجائے

میڈیکل سائنس کی لیبو ریٹریز میں بھیج دیجیے۔صرف اسی طرح معلوم کی جا سکتا ہے کہ یہ موتیں کیوں کراور کس ذریعے سے واقع ہوئی ہیں۔''

''مجھے آج شام تک ہی اگر اس کی رپورٹ مل جائے تو مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد اس خطرناک خونی گینگ کو گرفتار کرلوں گا۔''

''لیکن میں پریس کو کیا جواب دوں؟''

''صرف اتنا کہہ دیجیے کہ کسی پراسرار طاقت سے یہ اندھیر مچایا گیا ہے، پولیس اس کی تحقیقات صیغۂ راز میں کر رہی ہے اور آئندہ تین چار دنوں میں سارے راز منکشف کر دیے جائیں گے۔''

''نہ ہوئے تو؟''

''میں ذمہ لیتا ہوں۔آپ کو معلوم ہے کہ میں کبھی جھوٹے دعوے نہیں کرتا۔ میں لیبو ریٹری کی رپورٹ کے لیے آپ کو شام کو پانچ بجے فون کروں گا۔''

''خیر، میں بندوبست کیے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر پولیس کمشنر نے رسیور رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ اپنی ہیٹ سنبھالتا ہوا باہر نکل آیا۔پریس والوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور بیک وقت اس پر متعدد سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

پولیس کمشنر جہاں تک ممکن ہوا ان کے سوالوں کے جواب دیتا رہا اور آخر میں اس نے وہی ٹیلیفون پر سنے گئے الفاظ دہرا کر ان سے چھٹکارہ حاصل کیا۔پریس والے ان سے یہ وعدہ لے کر لوٹ گئے کہ پولیس اس سلسلے کے آئندہ حالات ونتائج سے پریس کو خود آگاہ کرتی رہے گی۔

اور تھکا ہارا سا دو بجے پولیس کمشنر دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''فرمایئے، کیوں طلب فرمایا گیا ہے خادم کو؟'' تنویر، میجر ابراہیم کے بنگلے میں گھستے ہوئے پروین کو سامنے دیکھ کر بولا۔

''آپ گھبرائے ہوئے ہیں شاید۔''

''جی ہاں، آپ کا ٹیلی فون پاتے ہی دونوں پیر سر پر رکھ کر دوڑا تھا اس لیے سانس میں ذرا ورم آ گیا ہے۔''

''ورم سانس میں؟''

''میرا مطلب پھول گئی ہے۔''

''اوہ۔'' وہ ہنس پڑی اور پھر دونوں گفتگو کرتے ہوئے میجر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔

''ڈیڈی آج ہسپتال سے گھر آ گئے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ان کا دماغ اگر ٹھیک ہوا تو آپ سے آپ ہو جائے گا ورنہ اس کا زیادہ علاج کرنے سے ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے وہ پاگل ہی رہ جائیں۔''

''مجھے معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ انھیں غیر خطرناک پاگل قرار دیتے ہوئے آپ کی درخواست پر گھر بھیج دیا گیا ہے۔''

''تو آپ کو پہلے ہی معلوم تھا؟''

''ہم اخبار والے بہت سے شیطانوں کو اپنے تابع میں رکھتے ہیں اور وہ ہمیں ہر ہر جگہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔''

''مگر ڈیڈی کو یہاں لانے پر بھی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ لوگوں نے ہی تو کہا تھا نا کہ انھیں پاگل کرایا گیا ہے۔ پھر خدا جانے یہاں آ جانے پر وہ ند معاش پھر کوئی حرکتیں کریں۔ میں نے اسی خوف سے متاثر ہو کر آپ کو تکلیف دی ہے۔'' وہ کسی قدر فکر

مند لہجے میں بولی۔

''وہ کیا آئیں گے اب یہاں۔آپ ایسا کیجیے دروازے پر ایک جھاڑوں لیے بیٹھی رہا کیجیے۔''تنویر نے صوفے پر کروٹ بدل کر کہا۔

''آپ تو میری باتیں ہنسی میں اڑا رہے ہیں۔''اس نے اداس ہوکر سر جھکا لیا۔تنویر نہ جانے کیوں اس کی اس اداسی پر بے قرار سا ہوگیا۔

''ارے آپ تو اداس ہوگئیں۔ارے بھئی میں تو آپ کو ہنسانے کے لیے کہہ رہا تھا۔بزرگوں کا قول ہے کہ کسی کو بے سبب روتا دیکھو تو ہنسنے والی بات چھیڑ دو۔''

''تو پھر میری فکر بے سبب ہے؟''اس نے سوال کیا۔

''جی نہیں۔مگر آپ سوچیے کہ اگر صرف پاگل بنا کر ہی ان پراسرار بدمعاشوں کا کام نہ نکلتا ہوتا تو کیا وہ ہسپتال میں ہی میجر صاحب کو نہ مار سکتے تھے۔میرے خیال میں جب تک میجر صاحب پاگل ہیں وہ لوگ ان کے خلاف کچھ نہ کریں گے۔''تنویر نے اسے تسلی دی۔

''ہوسکتا ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہو۔پھر بھی میرا جی ڈرتا ہے۔''

''تو پھر بتایے کیا کروں؟اچھا آپ مجھے اپنے یہاں چوکیدار کی حیثیت سے نوکر رکھ لیجیے۔''

''پھر وہی۔''وہ چڑ سی گئی۔

''اچھا،خیر چھوڑیے یہ بحث،میں فیض صاحب سے کہہ کر یہاں احتیاطاً ایک مسلح کانسٹیبل کا پہرہ لگوا دوں گا۔''تنویر نے وعدہ کیا۔''لیکن اتنا ضرور خیال رکھیے کہ کبھی اور کسی وقت بھی اگر میجر صاحب کا دماغ اعتدال پر آجائے اور وہ ہوش میں نظر آئیں تو آپ مجھے فوراً خبر کر دیجیے گا اور خود بھی سب سے پہلے ان سے ان بدمعاشوں کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کیجیے گا۔''

Akram Allahabadi

''آپ میری کس قدر مدد کر رہے ہیں اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔'' پروین نے سنجیدگی سے ممنون لہجے میں کہا۔

''شکریہ؟ ہونہہ، کاش آپ محسوس کر سکتیں کہ آپ کے کام آتے ہوئے مجھے خوشی ہوتی ہے۔'' تنویر کے لہجے میں رومانیت چھلکنے لگی۔

''کیوں؟'' اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

''جی، یعنی کہ... یہ میں خود بھی نہیں جانتا۔ لیکن دل آپ سے آپ محسوس کرتا رہتا ہے۔''

تنویر گھبرا سا گیا۔ مگر پروین کی نگاہیں سب کچھ سمجھ کر فرطِ حجاب سے جھک گئیں۔ اس کے گلابی ہونٹوں پر ایک شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مجھے میری منزل مل گئی۔'' وہ اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر بولا۔

''جی؟'' وہ چونک پڑی۔

''آپ کی شرمیلی مسکراہٹ، بس یہی سب کچھ ہے میرے لیے۔'' یہ کہہ کر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا اور پروین بھی کچھ دیر کھوئی کھوئی سی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

اندر کمرے میں میجر صاحب گنگنا رہے تھے۔

''زاغ میں چونچ کی لنگور ہے خدا کی قدرت
اور حور میں پہلو کے انگور ہے خدا کی قدرت

ہشت... وہ لے بھاگا... فوٹمن میرا، ڈھونڈو، ڈھونڈو، تمہارا سر... تم سب اونٹ کے پلے ہو، تم سب اونٹ کے پلے۔'' تنویر ان کی گنگناہٹ سنکر بے اختیار ہنس پڑا۔

''بس یہی حال ہے جب سے آئے ہیں۔'' پروین اداس ہو کر بولی۔

''آپ گھبرایئے نہیں، صبر سے کام کیجیے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' تنویر اٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ ہمدردی سے تھپک کر بولا۔ ''اچھا اس وقت چلتا ہوں، پھر حاضر ہو جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر وہ اسے مسکراتی نظر سے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

ڈی آئی جی انٹیلی جینس اپنے آفس میں بیٹھا کسی کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ ہر بار جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی اور وہ اٹھا کر سنتا تو اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ پیدا ہو جاتی، لیکن ایک بار جب فون کی گھنٹی بجی اور اس نے رسیور اٹھایا تو اسکے چہرے سے تھکن کے آثار مٹ گئے۔

''ہیلو، میں کب سے آپ کے فون کا انتظار کر رہا ہوں...، ہاں وہ رپورٹ آ گئی ہے، کمشنر نے مجھے ہدایت کی ہے کہ اس کے رزلٹ سے آپ کو آگاہ کر دوں۔ ڈاکٹر فرنیز انے خود ان لاشوں کا معائنہ کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ حادثات کسی آسمانی حملے سے وقع پذیر ہوئے ہیں، یا یوں ہو سکتا ہے کہ کسی سیارے سے کوئی مخصوص شعائیں ان پر برسی ہوں۔ بہر حال موجودہ سائنسی ایجادات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ان حادثوں کی وجہ بن سکے۔''

''اس نے کسی کاسمک افیکٹ کا ذکر نہیں کیا؟'' ادھر سے پوچھا گیا۔

''نہیں، ایسی کوئی چیز اس میں نہیں ہے۔'' ڈی آئی جی بولا۔ ''مگر یہ ہے کیا بلا؟''

''یہی ان تباہیوں کی جڑ ہے۔ میں ان لوگوں سے بہت قریب پہنچ گیا ہوں اور اس لیے مجھے بہت محنت کرنی پڑی ہے۔ لیکن یہ لوگ سوسائٹی کے اس مہذب اور با اختیار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں کہ بغیر مکمل ثبوت کے قانون ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

''لیکن آپ ہیں کہاں؟ کم سے کم معلوم تو ہوتا کہ وقت پڑنے پر ہم پہنچ سکیں۔''

''اسے اپنے تک ہی رکھیے گا۔ میں اس وقت ڈاکٹر فرنیزا کے ڈرائیور کے میک اپ میں ہوں۔ وہ ڈرائیور میری قید میں ہے۔ بالے میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ سر دست مجھے مزید مدد کی ضرورت نہیں۔ البتہ جس وقت ہوئی تو میں طلب کرلوں گا۔'' ادھر سے جواب ملا۔

''تو کیا ڈاکٹر فرنیزا...؟'' ڈی آئی جی نے کہنا چاہا۔

''یقیناً وہی، لیکن اسے قطعی صیغۂ راز میں رہنے دیجیے۔''

''تعجب ہے۔''

''تعجب کی بات نہیں۔ چھ ماہ پہلے اس نے ایک سائنسی کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے روس کے ایجاد کردہ کلمک بم کا ذکر کر کے خیال ظاہر کیا تھا شمسی شعاؤں سے پتھر تک خاک کیے جاسکتے ہیں۔ مجھے اس کا یہ بیان سائنس ڈائجسٹ نامی رسالے سے ملا تھا۔'' ادھر سے جواب ملا۔

''واقعی آپ حیرت انگیز ہیں، مسٹر۔''

''پنھو۔'' ادھر سے نام کا بقیہ حصہ پورا کردیا گیا۔

''بھئی خوب نام ہے۔'' ڈی آئی جی ہنسا۔

اور اس کے بعد کچھ رسمی گفتگو ہوئی پھر فون کا سلسلہ دوسری طرف سے منقطع ہوگیا اور ڈی آئی جی کسی گہری سوچ میں غرق ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆

یہ دو دن مسلسل خموشی میں گزر گئے، نہ کہیں کوئی غیر معمولی واردات ہوئی نہ کوئی

خاص بات ۔لیکن نہ جانے بالے، جامی ،فیض اور تنویر ان دنوں میں کہاں غائب ہو گئے ۔ وہ نہ کسی پولیس اسٹیشن پر نظر آئے ، نہ شہر میں کسی جگہ۔اب کی بار حالات بہت سنجیدہ اور پراسرار بنے ہوئے تھے اور پولیس بھی بظاہر خموشی برت رہی تھی ۔ ویسے مضافات کی پٹرولنگ برابر جاری تھی ۔

اخبارات بھی صبر وسکون سے نتائج کے منتظر تھے ،لیکن پبلک اور پریس کے لیے سپرنٹنڈنٹ خان کی غیر موجودگی اب بھی ایک معمہ بنی ہوئی تھی ۔پولیس نہ تردید کرتی تھی نہ تصدیق ،اور عام طور پر یہ تبصرے ہو رہے تھے کہ مسٹر خان ہوتے تو اب تک ان پراسرار وارداتوں کا سراغ مل گیا ہوتا ۔

☆☆☆☆☆☆

لیبوریٹری آف میڈیکل سائنس کا سپرنٹنڈنٹ، ڈاکٹر فرنیزا، جرمنی نسل کا ایک سرخ وسفید دراز قد آدمی تھا۔ ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری کے علاوہ وہ کئی نئے تجربات کی کامیابی کے سرٹیفکٹ بھی حاصل کر چکا تھا۔سرکاری اور نیم سرکاری حلقوں میں اسے کافی مقبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اسی کے حسن انتظام سے آج ہندوستان میں تقریباً ہر قسم کی جدید ادویات ،سائنسی آلات اور نئے نئے کیمیکلز تیار ہونے لگے تھے ۔ کام کی زیادتی ، اپنی مصروفیتوں کی وجہ س وہ بہت مغرور اور چڑچڑا سا ہو گیا تھا اور اس کے ماتحت اس سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے قصائی کے سامنے بکرے ۔

آج صبح سے اس کا دماغ بہت گرم تھا۔ دفتر میں آتے ہی اس ن اسٹاف پر بے بات کی بات پر بگڑنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے آج کسی کی ہمت اس کے پاس جانے کو نہ پڑی ۔وہ دفتر میں دوپہر تک رہا۔اس کے بعد کھانے کے لیے بنگلے جانے کو باہر نکل آیا ۔اس کا افریقی ڈرائیور کم بخت نہ جانے کہاں چلا گیا تھا ۔

''موسبارجو۔'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

''آتا صاحب۔'' شیڈ کی طرف سے آواز آئی اور ڈرائیور ایک شیڈ سے لڑکھڑاتا ہوا سامنے آ گیا۔

''آج تم نے پھر پی رکھی ہے شاید، گدھے کہیں کے۔''

''یس سر۔'' ڈرائیور نے اٹینشن ہو کر بولا۔

''معلوم ہے آج کتنا کام کرنا ہے؟''

''یس، سر۔''

''اکو، اب پیو گے تو تمہارا سر توڑ ڈالوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر دی۔

''بنگلے؟'' ڈرائیور نے بغیر گھومے ہوئے دریافت کیا۔

''نہیں، جہنم لے چلو۔ کم بخت، تمہیں ہوش ہے کہ نہیں۔''

''تھوڑا پی لیا، گلتی ہوا، صاحب۔'' ڈرائیور نے چوپٹ ہندوستانی میں معذرت طلب کی۔

''اسٹیج ٹو۔'' ڈاکٹر فرنیزا نے اسے ہدایت کی۔ اور ڈرائیور نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ گاڑی داہنے ہاتھ پر گھما دی۔ وہ نشے میں ہونے کے باوجود کافی تیز گاڑی چلا رہا تھا۔ ان کی گاڑی کھڑکی کے آرسنل کے نزدیک سونی سڑک پر ایک منٹ کے لیے رکی۔ ڈاکٹر نے اپنی بغل میں رکھا ہوا ایک چھوٹا سا بیٹری سیٹ اٹھایا، یہ شاید کمیونیکیٹر تھا اور اس کا ایک سوئچ آن کر کے اس نے کسی نامعلوم شخصیت کو مخاطب کیا۔

''ایکس فور، یو آر واٹھڈ۔ یو آر واٹھڈ ایکس فور۔'' اور دوسرے لمحے سیٹ میں سے باریک سی آواز سنائی دی۔

''ایکس فور اسپیکنگ، ایکس فور ہیر۔''

''ایکسٹینشن سیٹ تیار ہے؟''

''یس، باس۔''

''اسٹیج تھری دبرا پر ملو، آج صبح ۱۰ بجے آریشن شروع ہوجائے گا۔'' فرنیزا نے ہدایت کی۔

''او کے، باس۔''

اس کے بعد ان کی گفتگو منقطع ہوگئی اور وہ ڈرائیور کی طرف گھوم کر بولا۔ ''یس کیری آن۔'' ڈرائیور جو اسٹیئرنگ پر اونگھنے لگا تھا، آواز سے چونک کر پھر کار ڈرئیو کرنے لگا۔ ڈرائیور شاید بے اندازہ سیدھی گاڑی چلا رہا تھا۔ ان کی گاڑی بالآخر آگرہ روڈ پر آنکلی۔ ڈرائیور اسے آگرہ روڈ پر شمال کی طرف موڑنا چاہتا تھا کہ وہ پیچھے سے بول اٹھا۔

''اِدھر سے نہیں، اِدھر پولیس پیٹرولنگ ہوگی، اُدھر سے چلو۔'' اس نے ایک چھوٹی نیم پختہ سڑک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''آج ان کم بختوں کو ہمیشہ کے لیے سبق مل جائے گا۔ وہ فرنیزا کی قوت سے واقف نہیں ہیں۔'' وہ کسی قدر غصے میں بڑبڑایا۔

''اپنا باس کا کوئی سالہ مقابلہ نہیں کرنے سکتا۔'' ڈرائیور ممبار جو نے نشے کی کیفیت میں جھوم کر کہا۔

''اچھا، اچھا۔ سیدھا چل۔ آج کے دن تو صبر کیا ہوتا تو نے۔'' ڈاکٹر فرنیزا نے منہ بناتے ہوئے اسے ڈانٹ سنائی۔

گاڑی کچے راستے پر گھوم کر دوڑتی رہی، یہاں تک کہ تقریباً نصف گھنٹے میں دو مختلف چھوٹے راستوں کو عبور کر کے وہ ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک ٹیلے کے دوسرے نشیب میں ایک ایسبیسٹس کا چھوٹا سا بنگلا نما مکان بنا ہوا تھا، جس کے گرد خودرو جنگلی جھاڑیاں تھیں۔

Akram Allahabadi

ایسیسٹس کے مکان کہیں بھی چند گھنٹوں میں کھڑے کیے جا سکتے ہیں، لیکن وہ استعمال میں پختہ مکانوں سے کم شان دار نہیں ہوتے۔ اس مکان کے پاس کی گھنی جھاڑیوں کے درمیان دو کاریں اور کھڑی نظر آئیں۔ ڈرائیور نے ان ہی کاروں کے پاس اپنی کار بھی روک لی اور ڈاکٹر فرنیزا گاڑی سے اتر گیا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکال کر ڈرائیور کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

''کسی فالتو آدمی کو ادھر گھومتے ہوئے دیکھو تو شوٹ کر دو۔''

ڈرائیور نے چپ چاپ ریوالور اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور گاڑی کی کھڑکیاں بند کرنے لگا۔ فرنیزا اس مکان میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہلے سے کچھ آدمی موجود تھے، کیوں کہ اس کے داخلے پر اندر سے کچھ آوازیں سنائی دی تھیں۔

ڈرائیور نے اِدھر اُدھر غور سے دیکھا اور پھر ٹہلتا ہوا وہ بھی اس عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن نہ جانے اس نے ایک کھڑکی کے شیشے سے اندر کیا دیکھا کہ اس کا ہاتھ فوراً سفید کوٹ کی جیب میں چلا گیا۔ اندر سارجنٹ بالے اور جامی دونوں کرسیوں پر بندھے ہوئے تھے اور کمرے میں البرٹو اور فورمین ڈگلس اور تین خوش پوش آدمی موجود تھے۔ ان میں فرنیزا کا خاص اسسٹنٹ ڈاکٹر حیدر بھی تھا۔

ڈاکٹر فرنیزا کمرے میں ٹہل ٹہل کر بالے اور جامی کو بار بار گھور کر بڑبڑا رہا تھا۔ ''اب تمہاری کوئی طاقت مجھ سے ٹکر نہیں لے سکتی، کوئی مجھے نہیں روک سکتا، چوہو! میں آج ہی دنیا کو دکھا دوں گا کہ مجھ میں کیا قوت ہے، آج ہی۔ آج کی رات میری لامحدود قوت کے مظاہرے کی رات ہو گی، جب لوگ موت سے پناہ مانگتے ہوئے بھاگیں گے اور موت ان کے پیچھے دوڑے گی، آج راس آسمان سے آگ برسے گی۔''

''ہمارے پاس بہت سے فائر بریگیڈ ہیں۔'' بالے اس عالم میں بولے بغیر نہ رہا۔

''تمام دنیا کے فائر بریگیڈ بھی اس کی ایک دمک نہیں بجھا سکتے، بے وقوف، یہ تو میرا ایک ادنیٰ سا مظاہرہ ہوگا، میں چاہوں تو ساری دنیا کو اس طاقت سے اپنے قدموں میں جھکا سکتا ہوں۔'' ڈاکٹر پلٹ کر گرجتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہمارے محلے میں ایک شیخ چلی بھی یہی کرتا تھا۔'' جامی نے بھولی صورت بنا کر بیچ میں لقمہ دے دیا۔

''ان مردودوں کو ابھی ٹھکانے لگا دو۔ ہماری جاسوسی کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے پلٹ کر البرٹو کو حکم دیا۔

اس پر البرٹو نے جیب سے پستول نکال لی، وہ بھری ہوئی تھی۔ البرٹو چاہتا ہی تھا کہ نشانہ باندھ کر مارے مگر دوسرے لمحے فائرنگ کی ایک آواز کے ساتھ ہی البرٹو کی چیخ نکل گئی۔ اس کا ریوالور ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ اس کا ہاتھ لہولہان ہو رہا تھا۔ گولی چلنے کی آواز سنتے ہی سب ایک دم چونک پڑے۔ پیچھے ڈاکٹر فرنیزا کا ڈرائیور ممبارجو، دروازے میں پستول لیے کھڑا تھا۔

''خبردار کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو گولی سے اڑا دوں گا۔'' اس نے پستول کا رخ ان لوگوں کی طرف کر کے کہا۔

سب اپنی اپنی جگہ سُن کھڑے تھے، لیکن اسی وقت ڈاکٹر فرنیزا نے پھرتی سے پلٹ کر نہ جانے کی اچیز اس کی ناک پر کھینچ ماری، جس کے لگتے ہی وہ چکرا گیا اور دوسرے لمحے چھوم کر زمین پر آ رہا، لیکن اس سے پہلے کہ ڈاکٹر اور اس کے ساتھی کوئی اقدام کرتے باہر پولیس کی گاڑیوں کی ہارن سنائی دینے لگے۔

''چھوڑو ان چوہوں کو، یہ آپ مر جائیں گے۔ اس وقت پولیس سے ہمیں الجھنا نہ چاہیے۔'' ڈاکٹر فرنیزا نے چونک کر کہا۔

''ہمارے لیے کیا آرڈر ہے، باس۔'' البرٹو نے قریب ہو کر اس سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''ہیلی کوپ تیار ہیں؟''

''اسٹیج نمبر۳ کے قریب ہی موجود ہیں۔''

''تو پھر شب کو ۹ بجے اسٹیج نمبر۳ پر پہنچ جانا چاہیے۔ ہمارا پہلا آپریشن ۱۰ بجے شروع ہوگا۔ پولیس گاڑیاں قریب آچکی ہیں، پچھلے راستے سے فرار ہوکر سرنگ اڑادو۔'' یہ کہہ کر وہ خود تیزی سے مکان کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا اور اس کے پیچھے ہی اس کا ساتھی بھی۔

پولیس کی گاڑیوں کے رکتے ہی سب کے آگے انسپکٹر فیض اندر داخل ہوا، مگر ناک میں جلتی ہوئی بارود کی بو سونگھتے ہی وہ تیزی سے فرنیزا کے ڈرائیور پر جھپٹ پڑا۔ پیچھے تنویر اور دو سپاہی تھے، انھوں نے فوراً بالے اور جامی کو کھول دیا۔ فیض اپنے ہی کندھے پر ڈرائیور کو اٹھا کر باہر کی طرف دوڑا۔ دوسرے سب لوگ بھی باہر نکل کر جھاڑیوں کے پاس آگئے اور اس کے چند سیکنڈ بعد ہی دو تین زبردست دھماکوں سے وہ مکان اور اس سے ملحق ٹیلہ ہوا میں اڑ گیا۔ سامنے کی طرف دھواں ہی دھواں نظر آنے لگا اور پولیس پندرہ بیس منٹ تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکی۔ اس کے بعد جب دھواں اور گرد صاف ہوئی تو سامنے پہاڑی کے دامن سے دوسری طرف جانے والا راستہ ٹیلے اور مکان کے ملنے سے اٹا ہوا تھا۔ اس پر سے گاڑیاں گزر نہیں سکتی تھیں۔

''اف، کیسے موقع سے نکل گئے، کم بخت۔'' فرنیزا کا ڈرائیور کفِ افسوس ملنے لگا۔

''مگر یار ڈرائیور صاحب، تم نے خوب وقت پر مدد کی تھی ہماری۔'' بالے نے تکلفانہ انداز میں اس کی پیٹھ تھپک کر بولا۔

''غیر منقولہ اولادیں ایسی ہی اندھی ہوتی ہیں۔'' فرنیزا کا ڈرائیور مسکرا کر اس کی طرف گھومتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''کیا مطلب؟'' بالے اسے اپنی انسلٹ سمجھ کر تن گیا۔

''ابے الو۔'' ڈرائیور نے اس کی گردن تھام لی۔

اوہ...،تو آپ...ارے ارے، گردن ٹوٹی۔یعنی کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ ایسے گھٹیا میک اپ میں ہوں گے۔'' بالے نے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی۔

اور یہ جانتے ہی کہ ڈرائیور ممبارجو کے میک اپ میں سپرنٹنڈنٹ خان ہے سب چھوٹے افسر اور سپاہی چونک کر اٹینشن ہو گئے۔ پیچھے سے ایس پی موسگھلے اور انسپکٹر شرما بھی آ پہنچے۔

یہ بھی پٹرولنگ کی نگرانی کرنے آئے تھے اور دھماکے سن کر اِدھر آ نکلے تھے۔

''ارے، تو آپ باقاعدہ زندہ موجود ہیں۔'' ایس پی موسگھلے نے خان کو دیکھتے ہی چونک کر پوچھا۔خان آدھا میک اپ ادھیڑ چکا تھا۔

''جی، اگر ایسا نہ کرتا تو مجھے اصل راز تک پہنچنے کا موقع بڑی مشکل سے ملتا۔ میری موت پر یقین کر کے وہ کم بخت مطمئن ہو گئے تھے، مگر یہ بھی بڑے چالاک لوگ ہیں، ہر انتظام پہلے سے مکمل ہوتا ہے۔''

''مگر یہ سب اندھیر ہے کس لیے؟''

''وہ حرام زادہ ایک تباہ کن شعاعی ایجاد کر کے دنیا کو ختم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے بتایا۔

''وہ کیا چیز ہے؟'' ایس پی موسگھلے نے پوچھا۔

''وہی چیز جس کا وہاں لیک پر پہلا تجربہ کیا گیا تھا اور پچھلے دنوں اس خون والی رات کو دوسرا بڑا تجربہ۔اور آج شاید ان کے باقاعدہ پروگرام کا پہلا آپریشن شروع ہوگا۔''

''وہ تو بڑی بھیانک موتیں تھیں۔ان خون خوار انسانوں کو کسی طرح فوراً قبضے

میں کرنا چاہیے۔''ایس پی موگھلے بھی پریشان نظر آنے لگا۔

''تعاقب بے سود ہے، ویسے کوشش کر کے دیکھ لیجیے۔اور مجھے تو یقین ہے کہ اگر ہم آج چپہ چپہ کی حفاظت کریں تب بھی وہ ضرور کچھ کر گزریں گے۔وہ بہت چالاک اور منظم ہیں۔''خان نے بتایا۔پولیس والوں کے چہروں پر یہ گفتگو سن کر اس طرح فکرمندی کے آثار پیدا ہو گئے تھے جیسے آج ان کی ہی موت آنے والی ہے۔''

''پھر اب کیا کیا جائے؟ ہمیں پولیس کمشنر کو تو فوراً خبر کرنی چاہیے۔'' بوکھلائے ہوئے انداز میں ایس پی موگھلے نے کہا۔

''وہ میں نپٹ لوں گا،سردست آپ پٹرولنگ والوں کو گھوم پھر کر ہدایت کر دیجیے کہ وہ ہر گزرنے والی کار پر نظر رکھیں کہ اس میں کوئی مشینری تو نہیں لے جائی جا رہی ہے،اور ہو تو اسے چیک کی اجائے کہ کیا چیز ہے۔اس کے علاوہ مضافات کی تمام پہاڑی پر خاص نگرانی رکھنے کی ضرورت ہے۔میں نے وہارلیک والے کیس کے سلسلے میں ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ انھیں اپنے پاس تباہ کن شعاعی حملے کے لیے اونچا مقام چاہیے جہاں سے وہ براہِ راست اپنے تباہ کن اثرات کو نشانے پر منتقل کر سکیں۔''

''تعجب ہے کہ ہندوستان میں بھی ایسی سائنسی ایجادات ہونے لگیں۔بالے نے اپنی حماقت کا ثبوت دیا۔

''بیٹے،وہ جرمن سائنس دان ہے اور یقیناً اگر وہ قابو میں نہ آیا تو ممکن ہے کہ اس کی تیاریاں ایک دن بہت بڑا خطرہ ثابت ہوں،جسے کوئی قابو میں نہ لا سکے۔''خان نے پلٹ کر جواب دیا۔

''ضرورت پڑی تو وسیع نگرانی کے لیے میں پولیس کمشنر سے کہہ کر کچھ فوجی دستے بھی بلوا لوں گا۔''اس نے ایس پی موگھلے سے کہا۔''گاڑی میں وائرلیس سیٹ ہے وہ پوچھنے لگا۔''

ایس پی موگھلے نے اثبات میں گردن ہلا دی اور خان انسپکٹر شرما کو سپاہیوں سے دھما کے سے پھیلا ہوا ملبہ ہٹوانے کی ہدایت کرتا ہوا ایس پی کی کار پر آ گیا۔

''ہیلو۔''اس نے وائرلیس کمیونیکیشن سیٹ کا سوئچ آن کر کے ماؤتھ پیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''یس پلیز، پولیس ہیڈ کوارٹرز۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''پولیس کمشنر آفس سے ملا دیجیے۔'' خان بولا۔

''ابھی لیجیے، ہولڈ اون۔'' یہ کہہ کر ادھر سے کنیکشن تبدیل کر دیا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی بورڈ سے کمشنر کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو، کون؟ میں پولیس کمشنر بول رہا ہوں۔'' وہ انگریزی میں بول رہا تھا۔

''ہیلو سر، خان اسپیکنگ۔''

''اوہ، کہیے، کہاں تک پہنچے؟''

''میں نے ابھی ابھی ان بدمعاشوں کو گرفتار کر لیا ہوتا، لیکن وہ بہت عیار ہیں، دھماکہ کر کے نکل گئے۔ راستہ ملبے سے بند ہو گیا ہے۔ بہر حال آر رات کو وہ ایک بہت خطرناک اقدام کرنے والے ہیں۔ تمام اونچے پہاڑی مقامات کی نگرانی کے لیے مضافاتی پولیس ناکافی ہے۔ کسی طرح جلد ملٹری کے چند دستوں کا انتظام کر کے پہنچوا دیجیے۔ اگر وہ کسی طرح کامیاب ہو گئے تو آج کی رات بڑی ہنگامہ خیز بن جائے گی۔''

''آخر ایسی کیا بات ہے؟'' پولیس کمشنر نے پوچھا۔

''ان کے پاس ایک سیکرٹ کامک ویپن ہے جو اپنی زد میں پڑنے والی ہر چیز کو بھون ڈالتا ہے۔ ڈاکٹر فرنیز انے شمسی شعاعوں کے مواخذے سے کوئی ایسی خطرناک مشین بنالی ہے جس کی روشنی اپنے دائرے میں آنے والی ہر شے کو پگھلا دیتی ہے۔ اس کم بخت کو دنیا ختم کرنے کا خبط سمایا ہے۔ آج کی رات وہ اپنا پہلا اقدام کریں گے۔''

''اوہ، مگر کیسے؟'' کمشنر نے سوال کیا۔

''یہ ابھی معلوم نہیں ہو سکا، لیکن پہاڑوں پر نگرانی ہونے کے بعد مجھے ڈر ہے کہ وہ کوئی فضائی طریقِ کار نہ اختیار کریں۔

''تو کیا ایئر فورس کی مدد لی جائے؟''

''شاید اس سے کچھ نہ ہوگا۔ وہ لوگ کافی عقل مند ہیں، لیکن میں خود فضائی نگرانی کرنا چاہتا ہوں۔''

''یہ کس طرح ممکن ہے؟''

''بمبئی گورنمنٹ نے ٹڈیوں کے مارنے کے لیے ہیلی کاپٹر خریدے تھے، وہ سرکاری ذخیرہ گاہ میں ہوں گے۔ انھیں جس طرح ممکن ہو شام سے پہلے منگا لیجیے۔''

''میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔'' پولیس کمشنر نے کہا۔ ''لیکن وہ کہاں بھیجنے چاہئیں؟''

''سردست ہیڈ کوارٹرز کے عقبی میدان میں جو کھلے ہوئے گیرج ہیں، وہاں رکھا دیجیے اور ان پر پولیس کا پہرہ بھی رہے تب تک میں خود جا رہا ہوں۔'' خان نے جواب دیا۔

''اچھا میں آپ کا انتظار کروں گا۔'' یہ کہہ کر کمشنر نے شاید گفتگو ختم کر دی اور خان بھی سوئچ آف کر کے گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے بالے اور فیض کو ہدایت کر دی کہ ملبہ صاف ہو جانے کے بعد ممکن ہو تو کاروں کے پہیوں کے نشانات پر وہ دوسری طرف سے فرار ہونے والاں کا سراغ لگانے کی کوشش کریں اور خود پٹرولنگ اور مضافاتی نگرانی کے انتظامات کا معائنہ کرنے کے لیے ایس پی موگھلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خون کی بارش

''میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ لوگ فرض کی خاطر موت کے منہ میں جا رہے ہیں، لیکن ہمیں آپ پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔'' پولیس کمشنر نے خود ایک ویران میدان میں کھڑے کھڑے خان کی پیٹھ تھپکی، جہاں ہیلی کاپٹر پوشیدہ طور پر لے آئے گئے تھے۔

''اس کا ایک شعاعی حملہ ہمارے ہیلی کاپٹروں کو موم کی طرح جھلا کر گرا سکتا ہے۔'' ایس پی موگھلے نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''لیکن آپ اطمینان رکھیے، ہم اسے کوئی ایسا موقع نہ دیں گے۔'' خان بولا۔

اس کے بعد وہ، بالے اور انسپکٹر شرما ایک ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئے۔ شرما ریزرو کیبن کی تنگ سی جگہ میں بیٹھا تھا۔ بالے اور خان آگے سامنے کی طرف۔ خان خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ دوسرے ہیلی کاپٹر پر فیض، جامی اور تنویر تھے۔ اس وقت شام کے چھ بجے تھے۔ جب دوسرے پولیس افسروں کے سامنے ان چھ سرفروشوں کا قافلہ دو ہیلی کاپٹروں پر آسمان میں اڑ گیا۔ اور پولیس کے باقی افسر اپنی کاروں میں بیٹھ کر شہر کی طرف لوٹ پڑے۔

☆☆☆☆☆☆

بمبئی جیسے شہر کے لیے رات کے ابتدائی لمحات بھی دن سے کم نہیں ہوتے۔ روشنی کی بے پایاں فراہمی میں سڑکیں اور بازار بقعۂ نور بنے رہتے ہیں، لیکن نہ جانے کیوں آج شہر میں افواہیں پھیل رہی تھیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔ ممکن ہے پولیس والوں کی بے احتیاطی سے ہی یہ افواہیں پیدا ہوئی ہوں۔ بہرحال ایک عجیب مبہم سی سنسنی

ہر طرف طاری تھی۔

بازاروں میں پھر بھی چہل پہل تھی، کیوں کہ عام تفریح پسند لوگ شاید اپنے معمول کو قربان کرنے کو تیار نہ تھے، یا وہ ان افواہوں کو اہمیت نہ دے رہے تھے۔ البتہ بعض دکانیں آج خلافِ معمول بند ہونے لگی تھیں۔

اچانک ۱۰.۳۰ بجے رات کو ان جانی سمت سے ایک نامعلوم سی گونج سنائی دی۔ چلتے پھرتے لوگ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ لیڈی جمشید جی روڈ پر اچانک بھگدڑ مچ گئی اور پولیس کے آدمی جو اس علاقے میں گشتی ڈیوٹی پر تھے کان کھڑے ہو گئے۔

''کیا بات ہے؟'' ایک سارجنٹ نے بھاگتے ہوئے آدمیوں سے پوچھا۔

''خون برس رہا ہے آسمان سے، دیکھتے نہیں؟''

اور ابھی سارجنٹ پلٹا ہی تھا کہ پانی کی ایک بوند کی طرح کوئی چیز اس کے کندھے پر آگری۔ اس نے گردن ٹیڑھی کر کے دیکھا وہ خان کی بوند۔ وہ گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا، لیکن آسمان پر گہرا ابر مسلط تھا۔ تاریکی میں اسے کچھ نظر نہ آیا، صرف ایک عجیب سی مدھم سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اندازاً ہوا میں آسمان کی طرف فیئر کر دیا۔ نتیجہ تو کچھ نہ ہوا، لیکن گولی کی آواز سے لوگوں میں اور خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ بے تحاشا بھاگنے لگے۔

آگے جانے پر سارجنٹ کو سڑک پر کہیں کہیں خون کی بوندیں ٹپکی ہوئی ملیں۔ وہ حیرت سے انھیں دیکھتا اپنی موٹر سائیکل پر چلا جا رہا تھا کہ اچانک ایک عجیب سی سرخ روشنی آسمان کی طرف سے چمک کر اس پر پڑی اور وہ اس کی موٹر سائیکل اس سرخ روشنی کے ہالے میں آ گئی۔

لوگوں نے چیخ چیخ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں، جب انھیں سارجنٹ اور اس

کے موٹر سائیکل سرخ سرخ دھویں میں غلطاں نظر آئی ۔اس کی صرف ایک چیخ سنائی دے سکی اور اس کے بعد وہ روشنی کا ہالہ وہاں سے آگے کھسکنے لگا۔

فٹ پاتھ پر، عمارتوں کے چھجے تلے سکڑ جانے والے لوگوں نے خوف زدہ نظروں سے دیکھا، سارجنٹ کی لاش اور موٹر سائیکل، دونوں پگھل کر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے اور سڑک پر روشنی کے ہالے کے برابر پلپلا گڑھا نظر آ رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سارا علاقہ دردناک چیخوں سے گونجنے لگا۔ وہ روشنی ایک چار منزلہ شان دار عمارت پر ٹھہری ہوئی تھی اور اس عمارت کا ایک حصہ ریت کے تودوں کی طرح پھیل پھیل کر زمین پر آ رہا تھا۔

اس میں رہنے والے چیخیں مار مار کر اس میں دبے جا رہے تھے، ایک عجیب سا قیامت خیز نمونہ تھا اور اس کے بعد وہ روشنی دور چوراہے پر کھڑے ہوئے پولیس کانسٹیبل کے سر پر چمکی ۔ وہ اور چوراہے کا چبوترہ دونوں دھواں ہو کر اڑ گئے ۔ فٹ پاتھوں پر دونوں طرف عورتیں، مرد، بچے بے تحاشہ بھاگ رہے تھے ۔

☆☆☆☆☆☆

پولیس ہیڈ کوارٹرز کا ٹیلی فون ایکسچینج اس وقت برے حال میں تھا۔فون پر فون ۔ پولیس کمشنر سے لے کر چھوٹے افسروں تک کا ناطقہ بند تھا۔کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا جواب دیا جائے ۔اس تہلکہ خیز خونی روشنی کی اس برہ بریت کس سلسلہ اندھیری سے شروع ہوا تھا اور اب تک وہ تقریباً پندرہ بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہوئی شہر کی طرف آ رہی تھی ۔اس درمیان میں کئی جگہ اس نے عمارتوں اور راہ چلتی موٹروں اور آدمیوں پر گر گر کر انھیں تل کر رکھ دیا تھا۔ایک عجیب سی بے بسی کی کیفیت تھی کہ اس وقت فورٹ کے علاقے سے فون پر فون آنے لگے ۔نیو انڈیا انشورنس بلڈنگ پر وہ روشنی آ کر ٹھہری ہوئی

تھی اور پتھر کی یہ عظیم عمارت بھی گیلی مٹی کے کھلونے کی طرح منہدم ہو کر گر رہی تھی ۔اس کے ملبے سے سڑکیں بند ہو گئی تھیں اور روشنی تاریک آسمان کے گہرے خلاء سے ایک دائرہ نما راڈر کی طرح سیدھی اس بلڈنگ پر پڑ رہی تھی ۔پولیس اس موقع پر بھی پہنچ چکی تھی اور اسی وقت وائرلیس سے ایک سب انسپکٹر نے اطلاع دی کہ اب وہ روشنی آگے کی طرف منتقل ہو رہی ہے ۔

پولیس کمشنر سے برداشت نہ ہو سکا ۔وہ اپنی کار لے کر نکل کھڑا ہوا ۔جس وقت وہ فورٹ کے علاقے میں پہنچا تو وہاں ایک عجیب سی دہشت انگیز سنسنی پھیلی تھی ۔اس نے سر فیروز شاہ مہتا روڈ سے نکل کر جہانگیر آرٹ گیلری کی طرف کار گھما دی ۔ادھر لوگوں کا ہجوم جمع تھا، جو گھبرا کر ہوٹلوں اور دکانوں سے نکل پڑے تھے ۔وہ ان کے نزدیک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اسے بہت سے لوگوں کی چیخیں سنائی دیں ۔

''خون برس رہا ہے ۔''

اور ان چیخوں کے ساتھ ہ اچانک وہ روشنی ختم ہو گئی ۔بھیڑ خون کے قطروں کے آسمان سے گرتے ہی اِدھر اُدھر چھٹنے لگی ۔پولیس کمشنر نے کار کی اسپاٹ لائٹ کو زمین کی طرف ترچھا کر دیا اور اس کی روشنی میں اوپر سے گرنے والی خون کی بوندوں کے دھبوں کو دیکھتا بڑھنے لگا ۔ابیہ وہ ریگل سنیما کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اس کی کار سے کچھ آگے دھڑام سے خون میں لت پت ایک انسانی لاش آسمان سے ٹپکی ۔

اس نے گھبرا کر کار روک لی ۔گاڑی سے اتر کر اس نے دیکھا وہ کوئی ان جانا ساتن درست آدمی تھا، جس نے باریک سا ریشمی سوٹ پہن رکھا تھا ۔اس کا سوٹ خون میں تر تھا اور سینے اور پیٹ پر زخم کے کئی نشانات تھے ۔ادھر ادھر شید میں شید میں منتشر پولیس والے بھی دوڑ کر قریب آ گئے تھے ۔

ٹھیک اسی وقت ایک دوسری پولیس کار آ کر ایک منٹ کے لیے ٹھہری ۔اس

میں ایس پی موسگھلے تھا۔کار کے پیچھے ہائی پاور الیکٹرک جنریٹر ایک بی ای ایس ٹی کے ٹھیلے پر رکھا تھا۔دو آدمیوں نے اتر کر فوراً اس جنریٹر کو اسٹارٹ کردی۔اور اس کی گونج دور تک سنائی دینے لگی۔

تھوڑی دیر بعد بنریٹر نے روشنی بڑھانی شروع کردی اور وہ سرچ لائٹ تیزی کے ساتھ آسمان میں پھیل گئی۔وہ سب چونک پڑے۔اوپر کئی ہیلی کاپٹر پرواز کرتے نظر آئے۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو تین اوپر اڑ رہے ہوں اور دو تین کچھ فاصلے پر نیچے۔ اس کے ساتھ ہی آسمان میں گولیاں چلنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔وہ شاید ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہے تھے۔

جنریٹر چلتا رہا۔سپرنٹنڈنٹ موسگھلے نے کار ٹھیلے سمیت آگے بڑھادی۔پولیس کمشنر نے بھی اس لاش کو ایک سب انسپکٹر کے چارج میں چھوڑ کر اپنی کار آگے بڑھائی۔ خون کی بوندیں اب بھی اوپر سے سڑک پر گر رہی تھیں۔الیکٹرک ہار جس تک پہنچتے پہنچتے آسمان میں گولیاں چلنے کی آوازیں اور تیز ہوگئیں۔اور ایک بار پھر کوئی شے آسمان سے واپس گرتے ہوئے پتھر کی طرح بیچ سڑک پر آگری۔یہ ایک دوسری انسانی لاش تھی جو نیچے گرتے ہی چور چور ہو کر بگڑ گئی۔اس کا بدن شاید گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا۔جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔

ایک منٹ بعد اس سے کچھ فاصلے پر تیسری لاش گری۔وہ بھی گولیوں سے چھلنی ہوگئی تھی۔معلوم ہوتا تھا اوپر برین گن استعمال ہو رہی ہے۔پولیس نیچے سے سرچ لائٹ میں انھیں لینے کے باوجود فائرنگ نہ کرسکی تھی، کیوں کہ یہاں سے یہ شناخت ناممکن تھی کہ کون سے ہیلی کاپٹر پولیس کے ہیں۔

پبلک حیران حیران سہمی ہوئی ادھر ادھر آڑ میں کھڑی تھی۔پھر ایک بار کافی خون اوپر سے برسا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور لاش سڑک پر آٹپکی۔

اتنے میں کمشنر کی کار کا رسیونگ سیٹ والا بلب اسپارک کرنے لگا۔

''یس۔'' کمشنر سوئچ آن کر دیا۔

''ہم نے ان کے ایک ہیلی کاپٹر کے آدمیوں کو ختم کر دیا ہے۔ دو اور ہیں جن میں سے ایک پر وہ تباہ کن مشین نصب ہے۔ ان پر گولی بار ہو رہا ہے۔ مگر جامی اور شرما بری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔'' آواز سپرنٹنڈنٹ خان کی تھی۔

''کاش ہم آپ کی مدد کر سکتے اس وقت۔'' پولیس کمشنر نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ مگر اسی وقت ایک شور کے ساتھ بیچ سڑک پر آسمان سے کوئی چیز گری۔ یہ ہیلی کاپٹر تھا۔

''یہ دوسرا بھی چلا۔ ہمارے پاس انھیں ختم کر دینے کے سوا کوئی علاج نہیں۔ ڈاکٹر فرنیز اپاگل ہو چکا ہے۔ شاید اس نے اپنے ہی دو آدمیوں کو جو اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے، شاید مار کر نیچے گرا دیا ہے۔'' سیٹ پر خان کی آواز پھر سنائی دی۔

''ایسے خون خوار مجرموں کا ختم ہو جانا ہی اچھا ہے۔'' پولیس کمشنر نے خان کے اقدام کی تصدیق کی اور چند منٹوں کے بعد ہی ایک خون آلود لاش کے ساتھ ایک اور ہیلی کاپٹر زمین پر آ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ان کی لاشیں تو پہچانی بھی نہ جا سکتی تھیں۔ اس میں دو آدمیوں کی لاشیں تھیں۔

اب خان کے پیغام کے مطابق شاید صرف ایک ہیلی کاپٹر اور رہ گیا تھا کہ اچانک اس سے پھر وہی روشنی چمک کر نکلی اور اس کی زد میں آ کر ایک پٹرول پمپ دھماکے سے اڑ گیا۔ آس پاس کی بلڈنگیں اس دھماکے سے لرز اٹھیں اور سڑک پر دور تک آگ پھیل گئی۔

ٹھیک اسی وقت آسمان میں بھی ایک دھماکہ ہوا اور پھر اس روشنی کے بجھنے کے ساتھ ساتھ کوئی چیز تیزی سے نیچے گرتی دکھائی دی۔ وہ سڑک پر جلتے ہوئے پٹرول کے

شعلوں میں گر پڑی۔پولیس کمشنر نے دیکھا کہ وہ شاید تیسرا ہیلی کاپٹر تھا۔

اور پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ اپنے اترنے کا الارم دیتے ہوئے پولیس کے دونوں ہیلی کاپٹر اپولو بندر پر گیٹ وے آف انڈیا کے سامنے والے میدان میں اتر پڑے۔ پولیس فوراً دوڑ پڑی۔ جامی اور انسپکٹر شرما کو گولیاں لگی تھیں۔ انھیں فوراً ایمبولینس میں ہسپتال میں روانہ کردیا گیا۔اور سپرنٹنڈنٹ خان، فیض، بالے اور تنویر ایک پولیس جیپ کار کو الیکٹرک ہاؤس کی طرف دوڑ پڑے۔

مگر جب وہ وہاں پہنچے تو ڈاکٹر فرنیز اپنی اس عجیب اور تباہ کن مشین سمیت جل کر راکھ ہوگیا تھا اور کسی نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش نہیں کی۔البرٹو اور فورمین ڈگلس اور اس کے دوسرے آدمیوں کی لاشیں جو اوپر گری تھیں، ادھر ادھر چھڑی پڑی تھیں۔

پولیس کمشنر نے خان اور ان کے ساتھیوں کو دیکھتے ہی خوشی سے۔''ہیلو خان۔'' کا نعرہ لگایا اور سپرنٹنڈنٹ خان کو دوڑ کر گلے سے لگالیا۔

''تم نے آج وہ کام کی ہے جس پر ہم ہی نہیں بلکہ دنیا ناز کرے گی۔'' وہ اس کے بازو تھپک کر بولا۔

''مگر تم اس کے حملے سے بچے کیسے؟'' وہ اس وقت خوشی کے جذبے میں بے تکلفی کے ساتھ آپ سے تم پر آگیا تھا۔

''اس کی مشین اوپر کی سمت حملہ نہ کرسکتی تھی۔ وہ صرف اطراف میں اور نیچے کی طرف گھوم سکتی تھی۔شاید اسے اوپر سے ہمارے حملہ آور ہونے کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے بتایا۔

''لیکن تم نے اسے کیسے پالیا۔؟'' کمشنر نے سوال کیا۔

''ہم نے اپنی پرواز پہلے کافی اونچی رکھی تھی اور جس وقت اس نے سرخ روشنی

سے پہلا حملہ شروع کیا ہے ہم اسی کے انداز ے پر اس کا پیچھا کرنے لگے تھے ۔بالآخر ہم سب ایک بار اسے لیڈی جمشید جی روڈ پر آملے ۔لیکن وہ ہیلی کاپٹر ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کرنے لگے ۔اس لیے ہم نے پھر اوراوپر جا کر اپنی پوزیشن بچائی ۔ہم نے اپنا حملہ فورٹ میں شروع کیا، جب وہ لوگ فضا میں تھم گئے تھے ۔'' خان نے تفصیل سمجھائی ۔

''اف، کتنا خوف ناک انسان تھا یہ ڈاکٹر فرنیزا ۔''ایس پی موگھلے نے حیرت سے کہا۔

''کاش مجھے پہلے ہی ان کی روانگی کا مقام معلوم ہو جاتا تو میں وہیں پہنچ کر ان کے پروگرام کو ناکام بنا دیتا، لیکن ان کا حملہ دراصل اچانک اندھیری سے شروع ہوا ہے ۔ ان کے ہیلی کاپٹر خلاف توقع وہاں ایک بلڈنگ کی چھت پر اترے ہوئے تھے ۔'' خان نے بتایا۔

اور سب اس کی اس جرأت وفراست پر عش عش کرنے لگے، ورنہ ایسے منظم اور غیر معمولی طاقت رکھنے والے گروہ کا سراغ لگا کر اسے ختم کرنا کسی کو بھی ممکن نظر نہ آتا تھا۔

پولیس کمشنر نے اسی وقت وائرلیس سے پولیس ہیڈ کوارٹر کو خبر کر دی کہ لاؤڈ اسپیکر وال گاڑیوں سے تمام اعلان کرا دیا جائے کہ پولیس نے حالت پر قابو پا لیا ہے ۔ اور وہ پراسرار طاقت جو تہلکہ مچائے ہوئے تھی ختم کر دی گئی ہے ۔چنانچہ نصف گھنٹے کے بعد ہی جب لاؤڈ اسپیکروں والے پولیس ٹرک تمام گزرگاہوں اور محلوں میں اطلاع کرنے لگے، تب کہیں لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ۔

☆☆☆☆☆☆

دوسرے دن کے تمام اخبارات میں یہ خبریں اور تہلکہ خیز انداز میں دہرائی

گئیں ۔خان ، فیض اوران کے ساتھیوں کی تصاویر پر اخبار نے فخریہ تبصروں کے ساتھ شائع کیں اور پولیس کمشنر کو بھی کافی داد دی گئی کہ وہ ایسے نازک موقع پر اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر نکل کھڑا ہوا تھا۔

اس رات جامی اور شرما کا آپریشن کر کے گولیاں نکال لی گئیں اور ڈاکٹر نے انھیں خطرے سے باہر قرار دے دیا۔اور مبارک باد دینے والوں کا ہسپتال میں تانتا لگ گیا۔سپرنٹنڈنٹ خان آج پولیس کا ہیرو تھا اور تنویر جب دوسرے دن اخباروں میں شائع ہونے والے اس عظیم کارنامے کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ خان کے ساتھیوں میں اپنا نام بھی موجود پا کر فخر کے ساتھ دکھانے کے لیے پروین کے پاس پہنچا تو سب سے پہلے اس کی مڈبھیڑ ابراہیم سے ہوگئی۔

''کون ہے بے تو ، نالائق۔جانتا نہیں کہ ہمارے گھوڑے نے دودھ نہیں دیا ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے ایک چھوٹے سے ربڑ کے گھوڑے کو ہاتھ سے چمکارتے ہوئے بولے۔

''جی مجھے معلوم ہے، لیکن آپ نے شاید غور نہیں کیا کہ یہ گھوڑی دودھ نہیں دیتی۔'' تنویر نے آہستگی سے ان کے قریب سے اندر کی طرف کھسکتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں دیتی، کیوں نہیں دیتی ؟اس سے کہہ دو کہ ہمارا حکم ہے۔تمہاری تو ایسی تیسی۔'' یہ کہہ کر انھوں نے وہ ربڑ کا گھوڑا کھینچ کر تنویر پر مار دیا اور اس کے پیچھے اٹھ کر دوڑے۔جس پر تنویر تیزی سے اندر والے کمرے میں گھس گیا۔سامنے سے پروین آرہی تھی، نادانستگی میں اچانک دونوں ٹکرا گئے اور دونوں زمین پر آرہے۔میجر قہقہہ مار کر ہنس دیا اور قہقہے لگاتے لگاتے برآمدے میں چلا گیا۔

''یا اللہ، آپ کی آنکھیں سر پر ہیں کیا؟'' پروین اپنا سر سہلاتے ہوئے اس کے کندے کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔''آپ بدھو ہیں نرے۔'' اس نے مصنوعی غصے کا

اظہار کیا۔

تنویر نے شرارتاً اس کا ہاتھ ایک دم کندھے سے ہٹا دیا، لیکن جیسے ہی جھونک میں گرنے لگی اس نے اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا اور دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا دیے۔

''ڈیڈی کیوں بگڑ گئے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے ادب سے کہہ دیا کہ مجھے اپنا بیٹا بنا لیجیے، یعنی داماد...''

اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہو پایا تھا کہ پروین اس کے بازو بھنک کر شرم سے سکڑی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi